POSTED ON 17 April 2009 AT DELHI R.M.S. LICENCE NO. U (D.N.)- 41/2009-11 TO POST WITHOUT PRE PAYMENT PAGES-8.

● قیمت=/Rs.5

Millennium Girls School
C.B.S.E. Syllabus
Admission is going on for Session 2009-2010
Nursery to Class Ten (10)
Bus and Hostel Facility available
Cont. No.: 09835293957, 09234131237
Azad Colony, Pabra Road, Hazaribagh (Jharkhand)

''اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔'' (قرآن)

سہ روزہ دعوت نئی دہلی

www.dawatonline.com

Millennium Girls School
C.B.S.E. Syllabus
Admission is going on for Session 2009-2010
Nursery to Class Tenth
Bus and Hostel Facility available
Cont. No.: 09835293957, 09234131237
Azad Colony, Pabra Road, Hazaribagh (Jharkhand)

● جلد:۵۷ ● شمارہ:۳۶ ● ۱۹/اپریل ۲۰۰۹ء ● 19 April2009 ● یک شنبہ ● ۲۲/ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ ● قیمت=/Rs.5 ● سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۳ ریال ● Posting: 17 April 2009 Friday ●

محض الفاظ کی تبدیلی کافی نہیں ہے

امریکہ کے نئے صدر بارک حسین اوباما اپنے پیش رو جارج ڈبلیو بش کی پالیسیوں پر پوری طرح عمل پیرا ہیں لیکن اس کے لئے الفاظ میں ہیر پھیر کرکے دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ پالیسیاں نہیں صرف الفاظ بدل رہے ہیں۔ صلیبی جنگ اور دہشت گردی کے خلاف جنگ جیسے الفاظ استعمال نہیں کر رہے ہیں۔ تہذیبوں کے تصادم کی بات نہیں کر رہے ہیں۔ لیکن عملاً اسلام کے خلاف جنگ والی بش کی پالیسیوں سے قدم پیچھے نہیں ہٹا رہے ہیں۔ وہ خود کو اسلاموفوبیا سے پاک صاف ثابت کرنے کی بھرپور زبانی کوشش کر رہے ہیں۔ ''ہمارے ساتھ یا ہمارے خلاف'' کا نعرہ نہیں دہرا رہے ہیں بلکہ کہہ رہے ہیں: ''امریکہ اسلام سے برسرپیکار نہ ہے اور نہ ہی کبھی ہوگا''۔ گویا وہ بھارت کے ''نرم ہندتو اور گرم ہندتو'' سے سبق حاصل کر رہے ہیں۔ اس طرح حالیہ برسوں میں بش کے ذریعے امریکہ کی امیج کو عالم اسلام میں جو نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کی راہیں تلاش کر رہے ہیں۔ انھوں نے ۲۰/جنوری کو عہدۂ صدارت کا حلف لیتے ہوئے کہا تھا: ''میں بارک حسین اوباما'' جس کا اثر دنیا پر یہ پڑا ہے کہ وہ بھی ''مولانا ملائم خاں'' کا درجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں چنانچہ ترکی کی پارلیمنٹ میں بھی ان کا تعارف بارک حسین اوباما کے طور پر ہی کرایا گیا ہے۔ ان کا یہ نغمہ کافی پردہ پوشی کرتا نظر آرہا ہے۔ ''بہت سے امریکیوں کے خاندانوں میں مسلمان موجود ہیں یا وہ مسلم اکثریتی ملکوں میں رہتے ہیں۔ یہ بات میں اس لئے جانتا ہوں کہ میں انہی میں سے ایک ہوں''۔

نیویارک ٹائمز کے پیٹر بیکر کے مطابق اوباما نے اس عزم کے ساتھ امریکی صدارت سنبھالی ہے کہ وہ جارج ڈبلیو بش والی زبان کو بالکل کھرچ کر پھینک دیں گے جبکہ عملاً وہ انہی تمام پالیسیوں کو سینے سے چمٹائے ہوئے ہیں۔ ان کے معاونین کہہ رہے ہیں کہ وہ الفاظ کے ذریعے اپنی ترجیحات سجانے کی کوشش نہیں کر رہے ہیں۔ لیکن عمل بش انتظامیہ کی پالیسیوں پر ہی کر رہے ہیں اور ساتھ ہی دنیا کو یہ پیغام دینے کی بھی کوشش کر رہے ہیں کہ سابقہ نظام اور رووراب نہیں رہا وہ ختم ہو چکا ہے۔ گزشتہ دنوں جب صدر اوباما نے کانگریس کے لیڈروں کو وہائٹ ہاؤس میں اپنے منصوبوں کی تفصیلات بتائیں اور افغانستان میں مزید افواج بھیجنے کی بات کہی تو سینیٹر ہلیری ریڈ نے کچھ مشورے دیے جن میں ایک یہ بھی تھا کہ آپ کچھ بھی کریں لیکن موج، تھپیڑے اور سیلاب، طوفان و آندھی جیسے الفاظ استعمال نہ کریں چنانچہ اوباما اس مشورے پر پوری طرح عمل پیرا ہیں۔ نئی انتظامیہ میں الفاظ پر بھرپور توجہ دی جا رہی ہے۔ بحث اور بریفنگ میں اس کا لحاظ رکھا جا رہا ہے۔ اوباما اور ان کی ٹیم سابق صدر کی لغت کو پوری طرح کھرچ کر پھینکنے میں سرگرم عمل ہے۔ اب وہ ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے الفاظ استعمال نہیں کر رہے ہیں وہ سمندر پار آپریشن اور جس شخص نے برباد کر دیا ہے جیسے جملوں سے کام لے رہے ہیں۔ وہائٹ ہاؤس کا ہر آدمی اب الفاظ کا استعمال بہت احتیاط کے ساتھ کر رہا ہے۔ زبان، مسائل اور نظریات کو اپنے مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنا رہا ہے۔ جن پر بش انتظامیہ نے زور دیا تھا۔ ایک دوسری نمایاں تبدیلی یہ آئی ہے کہ اب امریکہ خود ہی سب کچھ کر لینے کی بجائے سب کو ساتھ لے کر ہی کام کرنے پر زور دے رہا ہے۔ صدر اوباما نے اپنے تمام پالیسی بیانات میں اس پر خاص طور پر زور دیا ہے کہ امریکہ تنہا کچھ بھی نہیں کر سکتا نہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ اجتماعی ذمہ داری ہے لہٰذا سب کو مل کر اسے کرنا چاہئے۔ اس کے برعکس سابق صدر بش کا حال یہ تھا کہ انھوں نے جو فیصلہ کیا کر گزرے۔ انھوں نے اس کی چنداں کوئی پروا نہیں کی کہ کوئی ان کا ساتھ دیتا ہے یا نہیں، ان کا طور طریقہ جارحانہ اور سفاک تھا۔ وہ بالجبر لوگوں کو اپنے ساتھ لینے پر یقین رکھتے تھے۔

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد بش انتظامیہ نے سب سے پہلا کام حکومت کے اختیارات وسیع کرنے والا قانون یو ایس اے پیٹریاٹ (حب الوطنی) ایکٹ بنا کر کیا تھا۔ بغیر وارنٹ کے لوگوں کو پکڑ کر قید خانوں کی سلاخوں کے پیچھے دھکیلنے والا یہ قانون شدید تنقید کا ہدف بنا تو اس کو نگرانی دہشت گرد پروگرام کا نام دے دیا گیا۔ کچھ دن کے لئے ''اسلامی فاشزم'' کو دشمن قرار دیا گیا جب تک مسلمانوں نے اس کی سنگینی پر توجہ نہیں دی۔

ایک ماڈریٹ ڈیموکریٹک ایڈوکیسی گروپ ''تھرڈ وے'' کے نائب صدر ماٹ بینیٹ کا کہنا ہے: ''اب آپ امریکی پبلک اور ساری دنیا سے یہ کہئے کہ نیا شیرف شہر آگیا ہے۔ اب سب کام جیلوں کے دروازے کھولے اور قیدیوں کو رہا کئے بغیر ہو جائیں گے''۔ صدر اوباما نے بش والے تمام الفاظ ضرور بدل دیئے ہیں لیکن نیشنل سیکورٹی ڈھانچہ کو علیٰ حالہ برقرار رکھا ہے۔ انھوں نے پیٹریاٹ ایکٹ پر نظرثانی یا لوگوں کو بغیر وارنٹ کے زنداں کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دینے والے پروگرام کے سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا ہے۔ انھوں نے گوانتاناموبے کے عقوبت خانوں کو ایک سال کے اندر بند کر دینے کا آرڈر ضرور دے دیا ہے۔ لیکن وہاں بند لوگوں کے سلسلے میں کسی نئی پالیسی کا کوئی اعلان نہیں کیا ہے۔ اب امریکی انتظامیہ افغانستان میں اوباما کی حکمت عملی کو عراق میں بش والی حکمت سے تشبیہ دینے سے احتراز کر رہی ہے جس کی صدر اوباما اپنے انتخاب سے پہلے مخالفت کرتے تھے۔ چنانچہ جارج ڈبلیو بش کے نیشنل سیکورٹی کونسل کے آخری ترجمان گورڈن جان ڈرو کہتے ہیں: ''میں نے دونوں صدر کی اصل پالیسیوں کا بڑی حد تک پتہ لگا لیا ہے۔ الفاظ کے استعمال میں تبدیلی ایک اچھی چیز ہے۔ جب تک لوگوں کو یہ خیال نہ ہونے لگے کہ پرتشدد انتہا پسندی کا خطرہ ختم ہو گیا ہے۔ امریکہ کے لئے بنیادی امر اس دور میں یہ ہے کہ اس کو کوئی خطرہ ہو یا نہ ہو امریکی عوام اور دنیا کو یہ باور کرا کر رکھا جائے کہ بہرحال پرتشدد انتہا پسندی کا خطرہ منڈلا رہا ہے۔ اوباما کے مشیروں کا کہنا ہے کہ وہ انتہا پسندی کے خطرے پر زور دینا بند نہیں کر رہے ہیں بلکہ سیاست کو اس سے باہر لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن کچھ تنقید کرنے والوں کے دماغ میں یہ بات سما گئی ہے کہ حکومت خطرے کو سنجیدگی سے نہیں لے رہی ہے۔ شانن ڈبلیو کوفن جنھوں نے نائب صدر ڈک چینی کے مشیر کے طور پر کام کیا تھا۔ کہتے ہیں ''خوش الفاظی سے یہ حقیقت تبدیل نہیں ہو جاتی کہ کچھ لوگ ہمیں مار ڈالنا چاہتے ہیں اور ہمیں آزاد لوگوں کی طرح رہنے دینا نہیں چاہتے''۔ کوفن کے دماغ میں بیٹھا ہوا یہ بچکانہ خوف سنگھ پریوار کی اس گھبراہٹ کا عکس ہے جو قومی اور بین الاقوامی ہر سطح پر بھارت کو اسلامستان بنانے، مسلمانوں کے اپنی آبادی میں اضافہ کر کے پندرہ کروڑ سے بڑھ کر ۸۵ کروڑ پر غالب آجانے جیسے نعروں کے ذریعے نفرت کی زہرافشانی کرتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کے نام، ان کے چہروں، داڑھیوں، دین اور تہذیب سے لرزہ براندام رہتے ہیں تاہم اگر مسلمان اسلام کی صحیح تعلیمات کا نمونہ پیش کرنے کا عمل تیزی کے ساتھ جاری رکھیں گے تو وہ دن دور نہیں ہے جب ساری دنیا میں حالات پلٹا کھائیں گے۔ ''ستیہ یگ'' کبھی نہیں آئے گا۔ صلیبی غلبہ اب کبھی نہیں ہوگا البتہ اسلام کا احیاء اور اس کا غلبہ ساری دنیا میں انشاء اللہ بہت جلد ہو جائے گا۔ (ع ق)

مصر اسرائیل امن سمجھوتہ کا نتیجہ کیا نکلا؟

مصر میں اسرائیل کے ساتھ امن سمجھوتہ کی تیسویں سالگرہ منائی گئی ہے۔ اس سمجھوتے کو دنیا کی مختلف اقوام کا ایک طبقہ تاریخی سمجھوتہ قرار دیتا ہے۔ تیس سال قبل جب یہ سمجھوتہ کیا گیا تھا اس وقت خاص طور سے مصر کے حکمرانوں نے تمام مسلمانوں، عربوں اور خود مصریوں کو یہ پرفریب حسین خواب دکھائے تھے کہ اس سمجھوتے کے نتیجے میں اس خطے میں امن قائم ہوگا۔ لیکن تیس سال گزر جانے پر بھی اس خطے میں امن کی فاختہ کوئی جھلک نہیں دکھا سکی جسے امن کی علامت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ امن کی دوسری علامت زیتون کی شاخ کو قرار دیا جاتا ہے۔ زیتون اس خطے میں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ لیکن امن والا زیتون آج تک اس خطے سے ناپید ہے۔ سبز باغ یہ دکھائے گئے تھے کہ اس سمجھوتے کے بعد حکومت جنگ کی بجائے حکومت سیاسی، معاشی اور معاشرتی ترقی پر اپنی توجہ مبذول کر سکے گی۔ لیکن مصر میں آج بھی آمریت ہے۔ غربت و افلاس ہے۔ بیروزگاری اور خستہ حالی ہے۔ معاشرہ تنزل، انتشار اور اضطراب میں مبتلا ہے۔ آج مصر کے اہل علم و دانش اور اصحاب بصیرت لوگ نہ صرف زبان حال سے بلکہ زبان قال سے بھی یہ دہائی دیتے سنے جاتے ہیں: ''آج مصر کا کسی بھی میدان میں کوئی اثر نہیں ہے''۔ خود اس علاقے میں بھی یہ تھرڈ کلاس ملک بن کر رہ گیا ہے۔ ایک زمانے میں یہ مختلف میدانوں میں پیش پیش رہنے والا ملک تھا لیکن اب اپنا لیڈنگ رول کھو چکا ہے۔ اب یہ صرف ادھر سے ادھر پیغام اور لیٹر پہنچانے والا ملک بن کر رہ گیا ہے۔

عوام کے اوپر مایوسی اور جھنجھلاہٹ طاری ہے جو اس سمجھوتے کو مصر کے زوال اور سیاسی ناکارہ پن کا آغاز قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ سمجھوتہ مصر کی بدحالی اور بربادی کا سبب ہی نہیں بنیاد ہے۔ مصر کے ڈکٹیٹر حکمراں حسنی مبارک اپنے محل کے اندر بیٹھ کر دعویٰ کر رہے ہیں۔ مصر اور اسرائیل کے درمیان امن سمجھوتہ مشرق وسطیٰ میں امن کے عمل کی بنیاد ہے۔ یہ فلسطین سے متعلق ٹکراؤ کو ختم کرنے کے لئے ہر بین الاقوامی ڈپلومیٹک کوشش میں مصر کلیدی رول کرادا کرتا ہے۔ یہ مصر کی خارجہ پالیسی کا ستون ہے۔ ہم اس سمجھوتہ کے پابند ہیں اور ہر اس ڈپلومیٹک اور سیاسی نظام کے پابند ہیں جو سمجھوتہ کرتا اور اس میں مدد کرتا ہے۔

عالم اسلام، غزہ پر صہیونی حملے کے خلاف سراپا احتجاج بن گیا تھا۔ مصری عوام سے لے کر دور دراز کے مسلمان تک حکومت مصر پر تنقید کر رہے تھے، لیکن مصری حکومت امن سمجھوتہ کے کھلونے کو سینے سے چمٹائے اپنے عافیت کدوں میں بیٹھی تھی۔ ہر چھوٹا بڑا اس سمجھوتہ کو صہیونیوں اور صلیبیوں کے منہ پر مار دینے کا مطالبہ کر رہا تھا، لیکن امریکہ اور یورپ کے ہمنوا اور ان کی مدد پر منحصر رہنے والے چلا چلا کر کہہ رہے تھے کہ امن سمجھوتے کو منسوخ کر دینے کے بعد کیا ہوگا؟ مصر ایک ارب چالیس کروڑ ڈالر سالانہ کی امداد سے محروم ہو جائے گا۔ پھر کیا ہوگا؟ یہ ہے ان غلاموں کی ذہنیت، یہ ہے اس بکاؤ مال کی قیمت و وقعت، انہیں امریکہ کے چند کاغذ کے پرزے چاہئیں۔ وہ گھبراتے ہیں کہ سمجھوتہ منسوخ کر دینے پر مغرب کی نظروں میں وقار ختم ہو جائے گا اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مصر کو ایک بار پھر جنگ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ یہ ہے مسلمانوں کے اوپر مسلط ان آمر بے ضمیر حکمرانوں کی خود داری اور دہشت زدگی کا عالم۔

دنیا دیکھ رہی ہے آج برطانیہ ہو کہ فرانس، امریکہ ہو کہ یورپ اور اسرائیل کسی کی بھی وہ حیثیت نہیں رہی جو ان کی ۱۹۴۸ - ۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۳ء میں تھی جب عربوں اور مسلمانوں کی گردنوں میں سب مل کر غلامی کا طوق ڈالے ہوئے تھے اور ریگستانوں میں اونٹ اور بکریاں چرانے والے عربوں کو نئی نئی دولت دیکھنے کو ملی تھی تو ان کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔ ان کے اوپر مسلط جابر طاقتیں ان کے گلوں میں غلامی کا پھندا کسنے پر مصر تھیں اور ان کے درمیان کھنکھناتے طلائی و نقرئی سکے ڈال ڈال کر انہیں باہم لڑا رہی تھیں۔ آج کا عرب نوجوان مرعوب نہیں ڈرا ہوا سہما ہوا نہیں وہ لبنان کی چھوٹی سی تنظیم حزب اللہ اور غزہ کے حماس کے لیڈروں کی سرفروشی، جرأت اور حوصلے کو دیکھ دیکھ کر تڑپ رہا ہے۔ اپنے دین و مذہب اور تہذیب کی پامالی کو آنکھوں دیکھتے برداشت کرنا اس کے لئے ناممکن ہو رہا ہے۔ اپنے ملک و قوم اپنے مذہب و تہذیب، اپنے ضمیر و کردار، خود داری و خود مختاری کو سربلند کرنے کے لئے کمربستہ ہے۔ اس حالت کو دیکھ دیکھ کر واشنگٹن اور اسرائیل لرز رہے ہیں۔ چنانچہ نیویارک ٹائمز کے نمائندہ میکائیل سلیک مین کا کہنا ہے کہ مئی میں حسنی مبارک ۸۱ سال کے ہو جائیں گے وہ قبر میں پیر لٹکائے بیٹھے ہیں۔ ظاہر ہے اب وہ مزید زیادہ دن تک نہیں چل سکیں گے۔ پھر کیا ہوگا؟ مصر میں سیاسی تبدیلی نہ صرف اسرائیل کے لئے بلکہ امریکہ اور یورپ کے لئے بھی سرمۂ چشم کشا ثابت ہوگا۔ یہ نقش قدم بر دیوار حقیقت ہے۔

●●

بلا تبصرہ

یہ حیران کن بات ہے کہ قانونی پابندی عائد ہونے کے باوجود کالجوں میں بلا خوف وخطر ریگنگ کے واقعات انجام دیے جا رہے ہیں۔ اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ کالج اور تعلیمی ادارے اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے خود اس طرح کے واقعات کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔

جے ایڈن الیگزینڈر، تنجاور
ہندو، ۱۳/اپریل ۲۰۰۹ء

شرعی ریگولیشن ۲۰۰۹ء کا نفاذ

اسلام آباد۔ پاکستان کے صوبہ سرحد کے زیر انتظام قبائلی علاقہ جات میں شرعی نظام کے نفاذ سے متعلق معاہدے پر پاکستانی صدر آصف علی زرداری نے دستخط کر دیے ہیں، جس کا مطالبہ پاکستان کی قومی اسمبلی نے کیا تھا، بعد ازاں انھوں نے شرعی ریگولیشن ۲۰۰۹ء بھی جاری کر دیا، جس کے بعد اس علاقے میں شرعی نظام کا نفاذ عمل میں آ گیا، اس پر امریکہ اور بعض دوسرے ملکوں نے تشویش کا اظہار کیا ہے اور اسے آئین کے خلاف قرار دیا ہے۔ مگر حکومت پاکستان کا کہنا ہے کہ یہاں قاضی عدالتوں کا قیام آئین کے تحت ہے۔ کیونکہ اسے پاکستان کی پارلیمنٹ نے منظوری دیدی ہے۔ اطلاعات کے مطابق سوات کے عام شہریوں نے اس پر خوشی کا اظہار کیا ہے۔

پاکستان قانونی مدد فراہم کرے گا

لندن۔ برطانیہ میں پاکستان کے سفیر واجد شمس الحسن نے کہا ہے کہ دہشت گردی کے شبے میں گرفتار کئے جانے والے پاکستانی طالبعلموں کو قانونی مدد اور مکمل تحفظ فراہم کیا جائے گا۔ واضح رہے کہ ان کا یہ بیان دہشت گردی کی منصوبہ بندی کے الزام میں برطانیہ میں گرفتار ہونے والے بارہ پاکستانی طلبہ کی گرفتاری کے بعد آیا ہے۔ یہ طلبہ اسٹوڈنٹ ویزے پر برطانیہ آئے تھے۔

قصاب کی وکیل کو ہٹا دیا گیا

ممبئی۔ ممبئی حملوں کے اہم ملزم اجمل امیر قصاب کی دفاعی وکیل انجلی واگھمارے کو ان کے عہدے سے ہٹا دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ اجمل کے خلاف مقدمے کی سماعت باقاعدہ طور پر شروع ہوگئی ہے۔ قصاب کو وکالت نامے کے سبب اس مقدمے کی سماعت میں تاخیر ہوئی ہے اور جب پہلے دن آرتھر روڈ جیل میں بنائی گئی خصوصی عدالت میں اس کی سماعت شروع ہوئی تو اس کی پہلی بڑی خبر یہ آئی ہے کہ اجمل کے دفاع کے لئے مقرر کردہ وکیل انجلی واگھمارے کو ان کے عہدے سے ہٹا دیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ جب ان کا نام قصاب کے مقدمے کی پیروی کرنے والی وکیل کے طور پر آیا تو گزشتہ ۳۱/مارچ کو شیوسینکوں نے ان کے گھر پر حملہ کیا تھا۔

اجمیر دھماکہ، ابھینو بھارت پر شبہ

نئی دہلی۔ سیکورٹی اور خفیہ اداروں کا کہنا ہے کہ اجمیر کے بم دھماکے میں بھی شدت پسند تنظیم ابھینو بھارت کا ہاتھ ہوسکتا ہے۔ واضح رہے کہ گزشتہ اکتوبر دو ہزار سات میں اجمیر کی درگاہ کے احاطے میں جو بم دھماکہ ہوا تھا اس میں متعدد افراد زخمی ہوگئے تھے۔ راجستھان کے اینٹی ٹیررسٹ اسکواڈ کے سربراہ کپل گرگ کا کہنا ہے کہ اس دھماکے میں بھی ابھینو بھارت ملوث ہوسکتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ابھی تفتیش جاری ہے۔

شمالی کوریا کا مذاکرات سے انکار

پیانگ یانگ۔ شمالی کوریا نے ملک میں موجود جوہری توانائی کے عالمی ادارے آئی اے ای اے کے نگرانوں کو فوراً ملک چھوڑ دینے کو کہا ہے، اس نے عالمی ادارے کو اپنے اس فیصلے سے بھی مطلع کر دیا ہے کہ اب وہ عالمی ادارے کے ساتھ کسی قسم کا تعاون جاری رکھنا نہیں چاہتا۔ اس نے عالمی ادارے کے نگرانوں سے کہا ہے کہ وہ یونگ بیون کے ایٹمی ری ایکٹر سے تمام آلات اور کیمرے ہٹا دیں۔ واضح رہے کہ اس سے پہلے اپنے منجمد ایٹمی پروگرام کو دوبارہ شروع کرنے کا اعلان بھی کر دیا تھا اور چھ فریقی مذاکرات کو مزید جاری رکھنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔

خبر ونظر

ایک چینل کی کاریگری

گزشتہ دسمبر میں ایک نیوز چینل انڈیا ٹی وی نے فرحانہ علی نام کی ایک امریکی خاتون کا ''انٹرویو'' نشر کیا تھا۔ موضوع تھا ''ممبئی پر دہشت گردانہ حملے اور ان سے پیدا شدہ صورت حال''۔ یہ خاتون پاکستان نژاد ہیں، امریکہ میں رہتی ہیں، وہیں سے سیاسی امور و مسائل کا تجزیہ کرتی ہیں۔ اس ''انٹرویو'' میں، جس میں کہ وہ ہندی بول رہی تھیں، ان کا جھکاؤ انڈیا کی طرف تھا اور وہ ہندوستانی موقف کی جا بجا تائید کر رہی تھیں۔ انڈیا ٹی وی نے انہیں ''امریکی جاسوس'' کے طور پر پیش کیا تھا۔ دیکھنے والوں نے یہ ''انٹرویو'' یقیناً دلچسپی کے ساتھ دیکھا ہوگا، چینل کی ''رسائی'' کے قائل بھی ہوئے ہوں گے۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ فرحانہ علی نے اس طرح کا کوئی انٹرویو کسی چینل کو سرے سے دیا ہی نہیں۔ نہ کسی رپورٹر سے بات کی۔ انہوں نے صرف ریوٹرز کو انٹرویو دیا تھا (میل ٹوڈے، ۱۰/اپریل)۔ لہٰذا خاتون نے اس ایسوسی ایشن (این بی ایس ڈی آر اے) سے شکایت کی جو پرائیویٹ چینلوں کے مالکان نے اپنے طور پر قائم کر رکھی ہے اور جس کا مقصد رپورٹنگ کا معیار بہتر بنانا اور اسے برقرار رکھنا ہے۔ رپورٹنگ کو دیانتدارانہ، غیر جانبدارانہ اور معروضی بنانے کے لیے انجمن نے اپنے ممبر چینلوں کو کچھ ضوابط کا پابند بنایا ہے۔

یہ انٹرویو سراسر جعلی تھا

ایسوسی ایشن کے سربراہ ریٹائرڈ چیف جسٹس جے ایس ورما ہیں۔ انہوں نے فرحانہ علی کی شکایت اور نیوز چینل کے جواب پر غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ انٹرویو سراسر جعلی تھا۔ انڈین چینل نے فرحانہ علی کی تصویر انٹرنیٹ سے لی تھی اور پھر ہندی میں ان کی آواز سنوا کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ گویا خاتون نے اس کو انٹرویو دیا ہے جبکہ خاتون ہندی جانتی ہی نہیں۔ جسٹس ورما نے چینل پر ایک لاکھ روپے کا جرمانہ کرنے کے ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیا ہے کہ اس کی تردید کرے اور اپنی معافی کم از کم پانچ بار نشر کرے۔ ان تمام ناظرین کے لیے، جو صاف ذہن کے ساتھ نیوز چینل دیکھتے ہیں اور صرف حقائق جاننا چاہتے ہیں، یہ خبر انتہائی خوش آئند ہے۔ یہ امر بھی ایک انکشاف سے کم نہیں کہ نجی براڈ کاسٹروں نے رپورٹنگ کا معیار بہتر بنانے کی غرض سے خود ہی اپنے اوپر کچھ ضوابط لاد لیے ہیں۔ گویا وہ چاہتے ہیں کہ جو کچھ پیش کیا جائے، دیانتداری کے ساتھ پیش کیا جائے۔ بنیادی طور پر تو یہ کام سرکاری ایجنسی کا تھا لیکن اسے اس کام سے شاید زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ ویسے یہ سوال اپنی جگہ اہم ہے کہ چینلوں کے ذریعے بے تحاشہ دولت کمانے والے براڈ کاسٹروں کو اس قسم کی انجمن کی ضرورت آخر کیوں پیش آئی؟

جسٹس ورما یہ کام بھی کریں

جسٹس ورما قابل مبارکباد ہیں کہ ایک چینل کا ایک فراڈ انہوں نے پکڑ لیا۔ مگر پتہ نہیں اس حقیقت سے وہ کہاں تک باخبر ہیں کہ نیوز چینلوں کا تو کاروبار ہی یہ ہے۔ اپنی ٹی آر پی بڑھانے اور بلیک میلنگ کے لیے یہ کاریگری نیوز چینل عام طور سے دکھاتے ہیں۔ اب جسٹس ورما اپنے ماہرین کی مدد سے ذرا ان رپورٹوں کا ریکارڈ بھی دیکھ لیں جو لشکر طیبہ، جیش محمد، انڈین مجاہدین، سیمی اور طالبان کے حوالوں سے آتی رہی ہیں کہ تصاویر اور فوٹیج دکھلا دکھلا کر کس طرح آوازوں کو آوازوں سے ملوایا جاتا ہے۔ ان کے الفاظ کو ''کوڈ ورڈ'' قرار دے کر کس طرح ان کے مطالب نکالے جاتے ہیں۔ کتاب کا مطلب ''بم'' لائبریری کا مطلب ''جائے واردات'' حکیم کا مطلب ''دھماکہ کرنے والا''۔ چونکہ فرحانہ علی کی طرح ان گروپوں کے لوگ (جن میں سے بعض فرضی ہیں) چیلنج نہیں کرتے اس لیے چینلوں کا کاروبار برابر جاری رہتا ہے ــــ پھر جسٹس ورما کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ انڈین چینلوں نے یہ کاریگری سیکھی ہے، امریکی چینلوں سے جو بن لادن اور ظواہری کی نقلی آوازیں، جعلی ٹیپ سنوا سنوا کر ایک دنیا کو بے وقوف بناتے رہے ہیں۔ جسٹس پر یہ عقدہ بھی کھل جائے گا کہ نجی براڈ کاسٹروں کو انجمن سازی کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ بعض نئے نئے چینل اس کاریگری میں بہت آگے بڑھ جاتے تھے اور مستحکم چینل ٹی آر پی میں پیچھے رہ جاتے تھے۔ (پ ر)

پہلا مرحلہ غیر شائستگی کے نام رہا

دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت میں پانچ مرحلوں میں ہونے والے عام انتخاب کا پہلا مرحلہ ۱۶/اپریل کی پولنگ کے ساتھ گزر گیا۔ اس دوران مجموعی طور پر ۱۲۴ پارلیمانی نشستوں میں ووٹ ڈالے گئے۔ اس طرح چھتیس گڑھ، انڈمان نکوبار، اروناچل پردیش، کیرل، لکشدیپ، میگھالیہ، میزورم، ناگالینڈ میں الیکشن کا عمل اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔ ویسے اس دن آندھرا پردیش، آسام، جھارکھنڈ، منی پور، اڑیسہ، مہاراشٹر، بہار، جموں و کشمیر اور اترپردیش میں بھی متعدد حلقوں میں ووٹ ڈالے گئے لیکن ان صوبوں میں دو یا دو سے زیادہ مرحلوں میں چوں کہ ووٹ ڈالے جائیں گے اس لیے یہاں ابھی انتخابی عمل مکمل نہیں ہوا ہے۔ ابھی باقی ہے نتائج تو تمام مراحل کے مکمل ہو جانے کے بعد ہی آئیں گے۔ اس کا اعلان ابھی بہت دور ہے۔ ووٹوں کی گنتی تمام مراحل طے پا جانے کے بعد ہی ہوگی اور ۱۶/مئی تک نتائج کا اعلان متوقع ہے۔

اس پہلے مرحلے کی انتخابی مہم پر اگر ایک نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ہوا کسی بھی پارٹی یا اتحاد کے حق میں نہیں ہے۔ میدان میں ایسی کرشمائی شخصیات بھی موجود نہیں ہیں جو لوگوں کو اپنا ہمنوا محض اپنی شخصیت کی بنا پر کر سکیں۔ بڑے سے بڑے لیڈر میں یہ خوبی نہیں پائی جاتی کہ وہ محض اپنی سحر بیانی سے لوگوں کا دل جیت لے۔ کسی سیاسی جماعت کے بارے میں بھی یہ بات نہیں کہی جا سکتی، تمام سیاسی پارٹیاں آزمائی ہوئی ہیں، ان کا کچا چٹھا عوام کے سامنے ہے، ان میں سے ایک بھی اپنی کارکردگی کی بنیاد پر کامیاب ہونے کی اہلیت نہیں رکھتی، کسی میں کوئی خرابی ہے تو کسی میں کچھ اور عوام کو مسحور کر لینے کی صفت کسی بھی سیاسی لیڈر میں نہیں ہے۔ ہر پارٹی اور اتحاد کہیں نہ کہیں کمزور نظر آ رہا ہے۔ ہر ایک پر کچھ نہ کچھ الزامات بھی عائد ہیں کسی پر بدعنوانی کا تو کسی پر شرانگیزی کا، کسی پر منافرت پھیلانے کا تو کسی پر کچھ اور۔ رائے دہندگان بھی اب بالغ نظر ہو گئے ہیں کہ کسی کی باتوں میں آجائیں۔

اس پہلے مرحلے کی انتخابی مہم پر نظر ڈالی جائے تو صاف لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی بھی پارٹی نے انتخابی منشور کو بنیاد نہیں بنایا ہے بلکہ زیادہ تر نے ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے۔ نچلی سطح سے لے کر بلند ترین سطح تک کم و بیش یہی کیفیت ہے۔ وزارت عظمیٰ کے لیے کانگریس اور بی جے پی کی جانب سے پیش کیے جانے والے

باقی صفحہ ۸ پر

جہیز کی تباہ کاری اور نظامِ وراثت کی برکت (۲)

ایم شیزی-(نگینہ، بجنور)

جب کہ جہیز غیر شرعی۔ دوسرے یہ کہ ہدیے میں جو چیزیں دی جاتی ہیں وہ جہیز میں نہیں دی جاتیں۔ کار، بائک، اسکوٹر، فریج، ٹی وی، وغیرہ جیسے تعیش پرستانہ سامان ہدایا کے دائرے سے بہت بلند ہیں، جب کہ یہ تمام اشیاء مروجہ جہیز کی رسم میں شامل ہیں۔

چوتھی بات جو جہیز کے حامی اس کے جواز میں پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ جہیز کا مانگنا واقعی غلط ہے۔ لیکن اگر کوئی خود جہیز دے رہا ہے یا منع کرنے کے باوجود دے رہا ہے تو اس میں کیا حرج کیا ہے؟ یہ بات بھی درست نہیں، بلکہ ایک ڈھونگ ہے اور دھوکہ دینے کے مترادف ہے، کیونکہ یہ ایک انسانی فطرت ہے کہ جس چیز کو وہ ناپسند کرتا ہے یا اس کو قبول کرنے سے گریز کرتا ہے تو یقیناً اس چیز کے لئے اس کے دل میں نفرت یا قباحت ہے اور بالفرض اس کو وہ چیز کسی بھی مجبوری کے تحت قبول کرنی پڑ جائے تو اپنی قلبی کراہیت کی وجہ سے اس کو اپنے پاس یا سینے سے لگائے نہیں رکھ سکتا، جب کہ جہیز لینے کے معاملے میں اس کی زبان یقیناً منکر ہے۔ لیکن قلب میں اس کے لئے نہ تو نفرت ہے اور نہ ہی کوئی کراہت، کیونکہ جہیز ملنے سے قبل وہ اس کو محفوظ رکھنے کے لئے چاہے قرض لینا پڑے پختہ و مناسب انتظام کرلیتا ہے اور ملنے کے بعد اس سے خوب لطف اندوز بھی ہوتا ہے اور پورا استفادہ بھی کرتا ہے تو یہ ہے جہیز کے جواز کے زبانی انکار کرنے والے کی اصلی حقیقت۔

ہمارے معاشرے میں جہیز کی حمایت کرنے والوں کی ایک قسم اور بھی موجود ہے۔ یہ جہیز کی حمایت میں جواز کے دلائل پیش کرنے والے وہ لوگ ہیں جو صرف مادہ پرست اور کاروباری ذہنیت رکھنے والے ہیں۔ اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم یافتہ بنانے، اعلیٰ منصب پر لے جانے یا اعلیٰ کاروبار کرانے کا ان کا یہ مقصد قطعی نہیں ہوتا کہ وہ ایک اعلیٰ بیٹا، ایک اعلیٰ بھائی، ایک اعلیٰ شوہر، اعلیٰ باپ، اعلیٰ شہری، یا مثالی مومن مسلم بنیں اور اپنے والدین کی آنکھوں کا تارا اور دل کا سکون، خاندان کے لئے فخر و رشک اور سماج و ملک کے لئے راحت و رحمت ثابت ہوں، بلکہ اپنے بیٹے پر وہ اپنی دولت اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ وہ شادی کے موقع پر دلہن والوں سے مع سود وہ رقم واپس لے لیں جو اس کو "اعلیٰ" بنانے کے لئے صرف کی گئی تھی تاکہ ان کے تمام تر اخراجات بمع "منافع" کے پورے ہوجائیں۔ ایسے لوگ حرص و ہوس زر میں اندھے ہوکر "ھل من مزید" کی صدا بلند کرتے ہوئے اپنے بیٹے کی اونچی سے اونچی بولی لگانے میں کوئی ننگ و عار نہیں سمجھتے۔ اللہ کے رسول کا یہ فرمان "نکاح میری سنت ہے" بھی ان کی فطری ہوس و لالچ کے سامنے بے معنی ہوجاتا ہے۔ نکاح ان کی نظر میں سنت و عبادت سے بڑھ کر محض کاروبار اور حصول زر کا ذریعہ ہوتا ہے ایسے لوگوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مقدس ضرور یاد رکھنا چاہئے کہ "جو شخص مال کے لئے کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو اللہ اس کے فقر میں اضافہ کرے گا۔"

جہیز جہاں دنیا میں ہلاکت، مصیبت اور فساد و دیگر پریشانیوں اور ذلتوں کا سبب ہے وہیں آخرت میں بربادی کا بھی بہت بڑا ذریعہ ہے۔ جہیز جہاں غیر شرعی اور اہل ہنود کی مذہبی رسم ہے وہیں یہ اسراف اور فضول خرچی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اسراف و فضول خرچی دنیوی اور اخروی تباہی کا سبب ہیں۔ اسراف اللہ کو ناپسند ہے اور فضول خرچی کرنے والے کو اللہ نے شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔ شیطان اللہ کے دربار سے دھتکارا ہوا ہے اور علانیہ انسان کا دشمن ہے تو خود ہی سمجھا جاسکتا ہے کہ فضول خرچی کرنے والے اللہ کی نظر میں کس حیثیت کے مستحق قرار پائیں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے کلام حق میں اسراف اور فضول خرچی کرنے سے روکا ہے۔ اسراف سے مراد یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ خرچ کردیا جائے۔ جب کہ فضول خرچی کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت کے بغیر خرچ کیا جائے۔ قرآن کریم میں اسراف اور فضول خرچی کرنے والوں کے بارے میں واضح ارشاد ہے کہ "کھاؤ اور پیو لیکن اسراف نہ کرو، بیشک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا"۔ دوسری جگہ فرمایا "فضول خرچی کرنے والے لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔"

اللہ تعالیٰ میانہ روی اور اعتدال کو پسند فرماتا ہے، جب کہ اعتدال کی حد سے گزرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ کہتے ہوئے حد اعتدال سے گزرنے والوں کے لئے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے، جب کہ اللہ کے رسولؐ نے کامیابی کے لئے میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے "میانہ روی اختیار کرو منزل تک پہنچ جاؤ گے۔" غیر معتدل رویے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ وہ انسان کو گمراہ اور بھیانک تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔

مسلم معاشرے کی شادیوں میں محض جہیز ہی اصراف بیجا اور فضول خرچی کا سبب نہیں بلکہ اس مقدس موقع پر گھروں اور شادی ہالوں کی آرائش وزیبائش، بارات اور اس کی چڑھت، نکاح کی تقریب اور ولیمہ کی پرتکلف دعوتیں بھی اس کے خاص اسباب میں شامل ہیں۔ مناسب مسلم آبادی والے کسی بھی شہر کے مسلم گھرانوں میں ہونے والی شادیوں کی فضول خرچیوں کا اگر حساب لگایا جائے تو وہ لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں روپے سالانہ بیٹھے گا اور اگر اس خطیر رقم کو فلاحِ عامہ کے کام، جیسے تعلیمی اور طبی مراکز کھولنے، یتیموں بیواؤں ناداروں کی بنیادی ضرورتیں مہیا کرنے اور بیروزگاروں کو مناسب روزگار فراہم کرانے کے لئے منظم طور پر خرچ کیا جائے تو صرف ایک دہائی کے اندر اس شہر کا کوئی مسلمان غیر تعلیم یافتہ، بے روزگار، مفلس اور نادار تلاش کرنے سے بھی نہ مل سکے گا۔ اور مسلم معاشرہ جہاں زبردستی کے اپنے ہی پیش کردہ متعدد مسائل، پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات حاصل کرلے گا وہیں برادرانِ وطن کے سامنے مسلمانوں کی شادیاں اسلامی معاشرے کا عملی نمونہ پیش کرنے کا ذریعہ بنیں گے۔

مسلم معاشرے کی شادیوں میں اسراف اور فضول خرچی کی ان واضح شکلوں کے علاوہ اور شکلیں بھی موجود ہیں، جن میں پانی کی طرح بے دریغ روپیہ بہایا جاتا ہے، جب کہ اسلام کے نزدیک مال اللہ کی نعمت اور امانت ہے۔ مال کا اصل مالک اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔ انسان تو صرف امانت دار ہے، وہ اپنی مرضی سے اسے ناجائز راستوں یا نفسانی خواہشوں کی تکمیل کے لئے استعمال نہیں کرسکتا۔ بلکہ اس کے بتائے ہوئے راستوں میں اس کے طریقوں کے مطابق ہی خرچ کرنے کا مجاز ہے۔ چونکہ آخرت میں اسے ایک ایک لمحہ زندگی کا ہی نہیں بلکہ ایک ایک پیسے کا بھی حساب دینا ہے۔ اللہ کی اس عطا کردہ نعمت یعنی مال میں خیانت کا ارتکاب جہاں انسانیت کے حق میں ناقابل معافی جرم ہے وہیں اللہ کے نزدیک بھی ایک انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "وہ اعتدال سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا"۔ مناسب ہوگا کہ ہادی برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شادیوں کے کچھ مقدس نمونوں پر غور کرلیا جائے تاکہ ہمارے سامنے اُن کی پاک سیرتوں کے پرنور اور روشن گوشے واضح ہوجائیں اور ہم پھر ان پر عمل کی سعادت حاصل کرکے اپنی دنیا و آخرت کو کامیاب وکامران بناسکیں۔

سیرت طیبہ اور تاریخ کے مطالعے سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب میں شادی کے موقع پر بارات، جہیز اور دیگر تمام خرافات جو موجودہ زمانے میں بھارت کے مسلمانوں میں رائج ہیں کوئی وجود نہیں تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جتنے بھی نکاح کئے اور اپنی بیٹیوں کی جتنی بھی شادیاں کیں ان سے کہیں بھی ثابت نہیں ہوتا کہ آپؐ کہیں بارات لے کر گئے ہوں، یا آپؐ نے جہیز لیا ہو، اسی طرح کسی بھی بیٹی کی شادی میں مروجہ بارات کی طرح آپ کے یہاں ہجوم اُمڈ آیا ہو۔ یا آپ نے اپنی کسی صاحبزادی کو جہیز میں کوئی چیز بھی دی ہو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ اوپر بیان ہوچکا ہے جس سے قطعی طور پر ثابت ہوجاتا ہے کہ آپؐ نے جو سامان دیا تھا وہ اپنی ملکیت سے نہیں، بلکہ حضرت علیؓ کی ملکیت یعنی زرہ فروخت کرکے وہ سامان رخصتی کے وقت حضرت فاطمہؓ کو دیا تھا۔ جب کہ آپ کی دیگر تین صاحبزادیاں جن میں سب سے بڑی حضرت زینبؓ، جن کی شادی نبوت سے پہلے ابوالعاص بن ربیع لقیط سے ہوئی تھی۔ اسی طرح حضرت رقیہؓ اور حضرت اُم کلثومؓ دونوں بیٹیوں کی شادیاں ابولہب کے بیٹوں عقبہ اور عتیبہ سے ہوئی تھیں، یہ شادیاں بھی اعلان نبوت سے قبل ہوئی تھیں۔ بعد میں حضرت رقیہؓ اور ان کے انتقال کے بعد حضرت اُم کلثوم کی شادی حضرت عثمان غنیؓ سے کی گئی تھی لیکن کسی بھی سیرت طیبہ کی کتاب سے معلوم نہیں ہوتا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شادیوں میں اپنی بیٹیوں کو جہیز کے نام سے کوئی چیز دی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جہیز کی حمایت کرنے والے لوگ ان میں سے کسی بھی شادی کی مثال پیش نہیں کرسکتے اور صرف حضرت فاطمہؓ کی شادی کو ہی بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کو ہی یہ جہیز کیوں دیا گیا؟ دیگر تینوں صاحبزادیوں کو کیوں نہیں؟ تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بچپن میں کفالت حضرت ابوطالب نے کی تھی۔ حضرت ابوطالب کے بہت اولاد تھیں، اور آپ کی مالی حالت زیادہ اچھی نہیں تھی۔ حضرت ابوطالب کا گھریلو بوجھ کم کرنے کے لئے محسن انسانیت نے حضرت علیؓ کو اپنی کفالت میں لے لیا، اسی طرح اللہ کے رسولؐ حضرت علیؓ کے کفیل اور ولی تھے۔ آپ کے گھر میں حضرت علی پرورش پارہے تھے، اس لئے نہ ان کے پاس کوئی اثاثہ تھا اور نہ ہی کسی قسم کا ذریعہ معاش، شادی کے بعد نیا گھر بسانا تھا اور اس کی ذمہ داری کفیل ہونے کے ناطے پوری طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد ہوتی تھی اس لئے آپؐ حضرت علیؓ کے روپیوں سے ہی نئے گھر کی بنیادی ضرورتوں کا انتظام فرمایا، جو کہ اسلام کی روح کے عین مطابق تھا۔ اس بابت اسماعیل پانی پتی نے اپنی کتاب میں اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے "ہجرت کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کردیا۔ حضرت علیؓ کے پاس کچھ بھی نہ تھا، نہ رہنے کو مکان، نہ کھانے کو روٹی زرہ بیچ کر شادی اور ولیمہ کا سامان کیا۔ ایک انصاری حارث بن نعمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مکان میں سے ایک مکان انہیں دے دیا۔ حضرت علیؓ نے اس میں دلہن کو اُتارا اور اس طرح انھوں نے اپنی ازدواجی زندگی شروع کی۔

حضرت علیؓ کی شادی کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "علی! دلہن کے لئے ولیمہ ضروری ہے۔" یہ سن کر حضرت سعدؓ نے کہا کہ میرے پاس ایک مینڈھا ہے، پھر قبیلۂ انصار نے کھانے کا مزید انتظام کیا۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے شادی کے وقت جو دعوت ولیمہ کی تھی اس زمانے کی سب سے عمدہ دعوت تھی۔

جہاں تک بارات اور ولیمے کا تعلق ہے، تاریخ اور کتب حدیث میں کہیں بھی مروجہ بارات جس میں مردوں، عورتوں اور بچوں کی کثیر تعداد ہوتی ہے۔ اہل عرب میں قبل از اسلام اور بعد از اسلام اس کا ذکر تک نہیں ملتا اور نہ ہی مروجہ ولیمہ جس میں اظہار فخر و ریاء زیادہ ہوتا ہے اور اظہار سنت مفقود ہوتی ہے۔ عرب کے اسلامی معاشرے میں اس کا شائبہ تک موجود نہیں۔

ہادیٔ برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلے ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ سے نکاح عمل میں آیا۔ آپؐ کے انتقال کے بعد حضرت سودہؓ سے آپؐ نے نکاح کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر اصحاب رسولؐ کی بیٹیاں، حضرت عائشہ اور حضرت حفصہؓ بھی امہات المومنین میں شامل ہیں۔ حضرت زینبؓ، حضرت صفیہؓ اور حضرت ام سلمہؓ سے نکاح کرکے بھی آپ نے انہیں شرف زوجیت عطا فرمایا۔ مذکورہ اور دیگر تمام امہات المومنین سے شادی کے موقع پر ولیمے کا اہتمام فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بڑا ولیمہ حضرت زینبؓ کے نکاح کے موقع پر کیا تھا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریمؐ نے اپنی کسی زوجہ مطہرہ کا اتنا بڑا ولیمہ نہیں کیا جتنا بڑا حضرت زینبؓ کے نکاح میں کیا تھا۔ آپؐ نے ان کے نکاح میں ایک بکری کا ولیمہ کیا تھا۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث مبارکہ میں سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ ایسا ولیمہ جس میں صرف ایک بکری استعمال کی گئی ہو ایک بڑے اور کثیر خرچ ولیمے کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت صفیہؓ کے ولیمے کا ذکر کرتے ہوئے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر اور مدینے کے درمیان تین رات آرام فرمایا اور حضرت صفیہؓ کے ساتھ (نکاح کے بعد) شب زفاف گزاری۔ اور میں نے مسلمانوں کو آپ کی دعوت ولیمہ میں بلایا۔ ولیمے میں نہ تو گوشت تھا اور نہ روٹی تھی بلکہ آپؐ نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا اور جب دسترخوان بچھا دیا گیا تو اس پر کھجوریں اور گھی رکھ دیا گیا۔ (بخاری) جب کہ دیگر احادیث میں ستو اور کچھ کھجور کا ذکر بھی ہے۔

بخاری کی ہی ایک دیگر حدیث میں اُم المومنین حضرت صفیہؓ خود بیان فرماتی ہیں کہ نبی اقدسؐ نے اپنی زوجہ مطہرہ (اُم سلمہؓ) کا ولیمہ دو سیر جو کے ساتھ کیا۔ (بخاری) اس کے علاوہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ولیمہ ایسا بھی کیا ہے کہ دسترخوان پھیلا دیا گیا اور صحابہؓ سے فرمایا: جس کے پاس جو کھانا موجود ہو لے آئے، اس کے بعد سب کھانا ملا کر صحابہ کرامؓ کو کھانے میں شامل کرلیا گیا۔

ولیمہ کرنا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے اکثر علماء کرام ولیمے کو مسنون اور بعض علماء واجب قرار دیتے ہیں۔ ولیمہ کی دعوت بغیر شرعی عذر کے قبول نہ کرنے والے لوگوں کو آپؐ نے سخت وعید سناتے ہوئے ان کے اس عمل کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی سے تعبیر فرمایا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول برحقؐ نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے دعوت یعنی ولیمہ کو (کوئی عذر نہ ہونے کے باوجود) قبول نہ کیا تو اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی۔" (بخاری و مسلم)

یہ تھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی اور اپنے اہل بیت کی شادی کا اُسوۂ مبارک۔ اب آپؐ کے جاں نثار صحابہؓ کی پاک حیات کے جو مخصوص شادی سے متعلق اُسوہ ہیں، تاریخ اور کتب اسلامی سے ان کو ملاحظہ کریں۔ حضرت عثمان غنیؓ جو بے انتہا دولت مند تھے، اسی وجہ سے آپ کا لقب "غنی" پڑا، ان سے آپ کی دو صاحبزادیوں کی شادی عمل میں آئی۔ پہلی حضرت رقیہ اور اُن کے انتقال کے بعد حضرت اُم کلثومؓ آپ کے نکاح میں آئیں، اسی بنا پر آپؓ کو ذوالنورین بھی کہا جاتا ہے۔ تاریخ میں عرب کے ان دولت مند شخص حضرت عثمان غنیؓ کی بارات اور عظیم الشان ولیمے کا ذکر تک موجود نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ مالدار ترین صحابہؓ میں سے تھے اور آپؐ کے بہت قریب ترین مبارک ساتھیوں میں سے تھے، لیکن آپ کو ان کی شادی کی خبر بھی تب ہوئی جب آپؐ نے ان کے ہاتھ پر زرد رنگ لگا دیکھا۔ آپ نے جب اس بابت دریافت کیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے آپؐ کو اپنی شادی کے بارے میں بتایا۔ تب آپؐ نے ان کو ولیمے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: "اللہ تمہیں برکت دے، ولیمہ کرو، خواہ ایک بکری ہی کے ذریعہ ہو۔" (بخاری و مسلم)

آپؐ نے ولیمے کی دعوت قبول کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے ساتھ ہی یہ بھی ہدایت فرمائی کہ ولیمے کی دعوت میں مالدار لوگوں کے ساتھ غریبوں کو بھی شامل کیا جائے۔ آپؐ نے ایسی دعوت ولیمہ کو سب سے بری دعوت قرار دیا جس میں مالدار لوگوں کو تو بلایا جائے لیکن فقراء کو دعوت نہ دی جائے۔ (بخاری و مسلم)

اس کے علاوہ اللہ کے رسولؐ نے نکاح کو اعلان کے ساتھ انجام دینے اور مسجد میں کرنے کی ہدایت فرمائی۔ آپؐ نے ترمذی کی ایک حدیث میں ارشاد فرمایا" اس نکاح کا اعلان کروا اور اسے مسجد میں انجام دو۔"

مسجد میں نکاح کی تقریب منعقد کرنے کا مقصد دراصل نکاح کا اعلان ہے، اس سے علاقہ و محلے کے لوگوں کو معلوم ہوجاتا ہے کہ فلاں لڑکا اور لڑکی رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئے ہیں۔ مسجد میں نکاح کا انعقاد کرنے کی سب سے بڑی حکمت اور فائدہ یہ ہے کہ

باقی صفحہ ۷ پر

> مسلم معاشرے کی شادیوں میں محض جہیز ہی اصراف بیجا اور فضول خرچی کا سبب نہیں بلکہ اس مقدس موقع پر گھروں اور شادی ہالوں کی آرائش وزیبائش، بارات اور اس کی چڑھت، نکاح کی تقریب اور ولیمہ کی پرتکلف دعوتیں بھی اس کے خاص اسباب میں شامل ہیں۔ مناسب مسلم آبادی والے کسی بھی شہر کے مسلم گھرانوں میں ہونے والی شادیوں کی فضول خرچیوں کا اگر حساب لگایا جائے تو وہ لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں روپے سالانہ بیٹھے گا اور اگر اس خطیر رقم کو فلاح عامہ کے کام، جیسے تعلیمی اور طبی مراکز کھولنے، یتیموں بیواؤں ناداروں کی بنیادی ضرورتیں مہیا کرنے اور بے روزگاروں کو مناسب روزگار فراہم کرانے کے لئے منظم طور پر خرچ کیا جائے تو صرف ایک دہائی کے اندر اس شہر کا کوئی مسلمان غیر تعلیم یافتہ، بے روزگار، مفلس اور نادار تلاش کرنے سے بھی نہ مل سکے گا۔ اور مسلم معاشرہ جہاں زبردستی کے اپنے ہی پیش کردہ متعدد مسائل، پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات حاصل کرلے گا وہیں برادرانِ وطن کے سامنے مسلمانوں کی شادیاں اسلامی معاشرے کا عملی نمونہ پیش کرنے کا ذریعہ بنیں گے۔

> آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسوۂ مبارکہ بھی ہمیں یاد نہیں رہتا جس میں آپ ﷺ نے اظہار فخر میں مقابلہ کرنے والی دعوتوں میں کھانا کھانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان دونوں آدمیوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے جو آپس میں فخر کا مقابلہ کریں۔

دُنیا میں مسافر جیسے رہو

محمد سیف اللہ، کوٹہ (راجستھان)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور تماشا ہے۔ حقیقت میں آخرت ہی کا مقام ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو زیاں کاری سے بچنا چاہتے ہیں۔ پھر کیا تم عقل سے کام نہ لوگے؟" (سورۃ الانعام: ۳۲)

دوسری جگہ فرمایا: "یہ دنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے، ہمیشہ کے قیام کی جگہ آخرت ہی ہے"۔ (سورۃ المؤمن: ۳۹)

ایک اور جگہ فرمایا: "یہ دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور تماشا ہے"۔ (سورۃ الفتح: ۳۶)

اور ارشاد فرمایا: "خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے"۔ (سورۃ الحدید: ۲۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: "میرا دنیا سے کیا تعلق؟ میری اور دنیا کی مثال تو ایسی ہی ہے کہ جیسے کوئی سوار کسی درخت کے سائے میں (دم لینے کے لئے ٹھہر جائے، پھر اسے چھوڑ کر چلا جائے"۔

حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے: "دنیا جارہی ہے اور آخرت آرہی ہے اور دونوں کے اپنے اپنے لوگ ہیں لہٰذا آخرت والے بنو، دنیا والے نہ بنو۔ آج عمل کا موقع ہے، حساب کتاب کا نہیں اور کل حساب کتاب کا وقت ہوگا عمل کا نہیں"۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو وصیت فرمائی (دنیا سے) گزر جاؤ، اسے آباد کرنے میں نہ لگو۔ ایک شخص حضرت ابوذرؓ کے پاس آیا۔ ان کے گھر میں ادھر ادھر نظر دوڑانے لگا (سامان کچھ نظر نہ آیا) پوچھا، آپ کا سامان کہاں ہے؟ آپؓ نے فرمایا: ہمارا ایک دوسرا گھر ہے، ہماری توجہ اسی طرف ہے۔ اس نے کہا، جب تک آپ یہاں ہیں (کچھ نہ کچھ) سامان ضروری ہے۔ آپؓ نے فرمایا: "گھر کا مالک ہمیں یہاں رہنے ہی نہیں دے گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے خطبے میں فرمایا: دنیا تمہارا ٹھکانا نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے فنا لکھ دی ہے اور دنیا کے لوگوں کے لئے سفر لکھ دیا ہے، کتنے ہی آباد گھر جلد ہی ویران ہوں گے اور کتنے ہی مکانوں میں رہنے والے جن پر رشک کیا جاتا ہے بہت جلد کوچ کر جانے والے ہیں۔ اس لئے اچھی طرح کوچ کی تیاری کرو اور بہترین توشۂ سفر تقویٰ ہے اسی کو ساتھ لو۔ معلوم ہوا کہ جب دنیا مومن کا ٹھکانا اور جائے قیام ہی نہیں ہے تو مومن کو دنیا کی چند روزہ زندگی میں یا تو اس اجنبی کی طرح رہنا چاہئے جو اپنے وطن لوٹنے کی تیاری کر رہا ہو اور اس مسافر کی طرح رہنا چاہئے جو دن رات اپنے ملک کی طرف رواں دواں ہو۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مومن دنیا میں اجنبی کی طرح رہتا ہے نہ اسے یہاں کی ذلت و بے چارگی افسردہ کرتی ہے نہ وہ یہاں کی عزت کے لئے مقابلہ آرائی کرتا ہے۔ اس کا اور دوسرے لوگوں کا معاملہ الگ الگ ہوتا ہے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کیا ہے؟ دنوں کا مجموعہ ہے، جب ایک دن گزر گیا تو سمجھو اس کا ایک حصہ ختم ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کو یہ نصیحت فرمائی تھی کہ دنیا سے وہ اتنا ہی حاصل کرنے کی خواہش کریں جتنا ایک سفر کرنے والا سوار اپنے ساتھ رکھتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ نصیحت ہے کہ صبح ہوجائے تو شام کے منتظر نہ رہو اور شام ہوجائے تو صبح کے منتظر نہ رہو۔ امام احمدؒ و سفیان ثوریؒ سے یہ قول منقول ہے کہ دنیا سے بے نیازی و زہد کا مطلب ہے امید کم سے کم کرنا، جس کی صبح ہوجائے وہ یہی سمجھے کہ اب شام کا منہ نہیں دیکھ سکے گا۔ حضرت بکر مزنی رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ جو کرسکے وہ یہ ضرور کرے کہ سوتے وقت اپنا وصیت نامہ لکھا ہوا اپنے سر کے پاس رکھ لے، کیونکہ یہ ہوسکتا ہے وہ سوتو دنیا والوں کے ساتھ رہا ہے اور صبح آنکھ آخرت والوں میں کھلے۔

دنیا سے بے نیازی و بے رغبتی

ارشاد ربانی ہے: "ان سے کہو، دنیا کا سرمایۂ زندگی تھوڑا ہے اور آخرت ایک خدا ترس انسان کے لئے زیادہ بہتر ہے اور تم پر ایک شمہ برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا"۔ (سورۃ النساء: ۷۷) دوسری جگہ فرمایا: "تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو حالانکہ اللہ کے پیش نظر آخرت ہے"۔ (سورۃ الانفال: ۶۷)

ایک جگہ فرمایا: "یہ لوگ دنیوی زندگی میں مگن ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک متاع قلیل کے سوا کچھ نہیں"۔ (سورۃ الرعد: ۲۶) ارشاد ہے: "مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے"۔ (سورۃ الاعلیٰ: ۱۶)

یہ بھی فرمایا: "خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش ہوگئی تو اس سے پیدا ہونے والی نباتات کو دیکھ کر کاشتکار خوش ہوگئے پھر وہی کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے"۔ (سورۃ الحدید: ۲۰)

ارشاد فرمایا: "کفر کرنے والے بس دنیا کی چند روزہ زندگی کے مزے لوٹ رہے ہیں اور جانوروں کی طرح کھا پی رہے ہیں اور ان کا آخری ٹھکانا جہنم ہے"۔ (سورہ محمد: ۱۲) یہ بھی فرمایا: "تم اپنے حصے کی نعمتیں دنیا کی زندگی میں ختم کرچکے اور ان کا لطف تم نے اٹھالیا"۔ (سورۃ الاحقاف: ۲۰)

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جسے کرنے سے اللہ تبارک تعالیٰ بھی مجھ سے محبت کرنے لگے اور لوگ بھی۔ آپؐ نے فرمایا: دنیا سے بے نیازی اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس (دولت و سامان وغیرہ) ہے اس سے بے نیازی اختیار کرو تو لوگ تم سے محبت کریں گے"۔ (ابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے دنیا سے کیا سروکار؟ میری اور دنیا کی مثال تو بس ایسی ہے کہ جیسے کوئی سوار کسی درخت کے نیچے ستانے کے لئے رک جائے اور پھر چھوڑ کر چلا جائے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے دنیا سے اس طرح بچاتا ہے جیسے کوئی بیمار کو پانی سے بچاتا ہے"۔ (ایک دوسری حدیث میں یہ الفاظ ہیں: "جیسے تم اپنے مریض کو ڈر سے کھانے پینے سے پرہیز کراتے ہو"۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دنیا مومن کیلئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے"۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے: "جو سب سے زیادہ تونگر بننا چاہے اسے اس بات پر یقین پیدا کرنا چاہئے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ اس سے زیادہ قابل بھروسہ ہے جو اس کے اپنے ہاتھ میں ہے"۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں: "جو دنیا سے بے نیاز ہوجائے گا اس کے لئے مصیبتیں آسان ہوجائیں گی"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دنیا کیا ہی بہترین جگہ ہے اس کے لئے جس نے یہاں اپنی آخرت کے لئے زاد سفر تیار کیا یہاں تک کہ اپنے رب کو راضی کیا اور کیا ہی بدترین جگہ ہے اس کے لئے جو آخرت سے غافل اور اپنے رب کو راضی کرنے سے قاصر رہا"۔ (حاکم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے دنیا سے محبت کی اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت سے محبت کی اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا، تو جو چیز باقی رہنے والی ہے اسے فنا ہونے والی چیز پر ترجیح دو"۔ (مسند احمد) ایک بار فرمایا: "دنیا اور اس میں جو کچھ

باقی صفحہ ۷ پر

دعوت

۱۹/اپریل ۲۰۰۹ء

غورطلب امر

پہلے مرحلے کا انتخابی عمل سولہ اپریل کی پولنگ کے ساتھ پورا ہوگیا۔ انتخاب کو جمہوری نظام کے لئے ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے عوام کا فیصلہ اوران کی رائے حاصل کی جاتی ہے۔ اس فیصلے اور رائے کی بنیاد پر حکومت تشکیل پاتی ہے اور یوں عوام یعنی رائے دہندگان یعنی جمہور اپنا اختیار (فیصلہ سازی یا قانون سازی کا حق) اپنے منتخب نمائندوں کوتفویض کرتے ہیں اور وہ جمہور کے ایما پر یہ کام انجام دیتے ہیں۔ اس لئے یہ کہا جاتا ہے کہ عوام کے نمائندے عوام کے سامنے جوابدہ ہیں۔ انہیں ہر پانچ سال کے بعد عوام کی عدالت میں جانا پڑتا ہے اور اپنا کیا دھرا اس کے سامنے پیش کرنا پڑتا ہے۔ جمہور کے لئے اس وقت یہ موقع ہوتا ہے کہ وہ جانچ پرکھ کر اپنا فیصلہ سنائے۔ یوں وہ کسی کومسترد کرتے ہیں اور کسی کی تائید وحمایت کرتے ہیں۔ یہ عمل پچھلے ۵۷ سال سے مسلسل دہرایا جارہا ہے اور یہ پندرہواں موقع ہے جب عوام یعنی جمہور کواس کا موقع مل رہا ہے۔ بظاہر تو یہ بڑا سادہ سا عمل ہے اور اس میں کوئی مشکل بھی پیش نہیں آنی چاہئے تھی اس لئے کہ جمہور کو فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ اصولاً جمہور کو اس معاملے میں مطلق آزاد ہونا چاہئے۔ اسے طرفداری کا فیصلہ خالص اصولوں کی بنیاد پر کرنا چاہئے۔ امیدوار کا انتخاب معیار پر مبنی ہونا چاہئے۔ اس کو یقینی بنانے کے انتظامات بھی کئے گئے ہیں جو انتخابی قواعد وضوابط کی صورت میں موجود ہیں۔ ان قواعد وضوابط کو روبہ عمل لانے کا بھی ایک نظام بنایا گیا ہے۔ جس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس پر نظر رکھے اوراس کی مسلسل نگرانی کرتا رہے۔ لیکن گزشتہ پچاس ساٹھ برسوں کے عمل نے اس نظام کوبھی آلودہ کردیا ہے۔

اس کی خرابیاں سامنے آتی رہی ہیں۔ یہ خرابیاں کچھ تو داخلی ہیں اور کچھ خارجی ہیں۔ جوخرابیاں اب تمام حدود کوعبور کرچکی ہیں اور بہت بھیانک صورت اختیار کرچکی ہیں ان میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس انتخابی عمل کو جتنا معیاری ہونا چاہئے وہ قائم نہیں کیا جاسکا، بلکہ اس میں لگاتار گراوٹ آرہی ہے۔ یہ صاف شفاف نہیں رہ گیا ہے۔ اس میں مختلف قسم کی خرابیاں در آئی ہیں۔ پہلی خرابی تو یہ ہے کہ صاف ستھرے امیدوار اب کھڑے نہیں ہورہے ہیں۔ غلط قسم کے عناصر کی سیاست میں آمد کو نہ صرف یہ کہ روکا نہیں جاسکا ہے بلکہ ایسا کوئی نظام العمل بھی نہیں بنایا جاسکا جو صاف ستھرے عناصر کو ہی اپنے اندر جذب کرے، غلط عناصر کو باہر پھینک دے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قانون ساز اداروں میں غلط قسم کے عناصر کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ صاف ستھرے طریقے سے منتخب ہونا اب مشکل ہوتا جارہا ہے۔ غلط طریقوں کا سہارا لئے بغیر انتخاب جیتنا اب محال ہوگیا ہے۔ اس خرابی کو دور نہیں کیا جاسکا ہے۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ انتخابی ضابطۂ اخلاق اوراس سے متعلق دوسرے ضوابط کا کوئی احترام نہیں رہ گیا ہے۔ عام ووٹر سے لے کر سربراہ مملکت بنائے جانے کے امیدوار تک کواس کا خیال نہیں رہ گیا ہے۔ پہلے مرحلے کی انتخابی مہم کے دوران وزارت عظمیٰ کے امیدواروں نے ایک دوسرے پر جس طرح حملے کئے اور شائستگی کا دامن چھوڑ دیا وہ اس کی مثال ہے۔ سابقہ الیکشنوں میں بھی اس قسم کے واقعات ہوتے رہے ہیں۔ اس پر بھی قابو نہیں پایا جاسکا ہے اور یہ گویا نظام کی ناکامی ہے۔ اسی طرح ایک غورطلب مسئلہ یہ بھی ہے کہ ووٹ کے لئے آپشن محدود سے محدود تر ہوتا جارہا ہے، یعنی یہ کہ اگر ایک ووٹر کی نگاہ میں کوئی بھی امیدوار منتخب ہونے یا اس کی نمائندگی کے لائق نہیں ہے تو اس کواس کے اظہار کا اختیار دیا جانا چاہئے۔

دہشت گردی کے خاتمے کے نام پر اسلام مخالف مہم بدستور جاری ہے

مذہبی تنظیموں اور دہشت گردوں کے مابین 'رابطوں' کو ختم کرنے کی منصوبہ بندی اور اس کو روبہ عمل لانے پر غور

امریکہ نے دہشت گردی کے خاتمے کے نام پر اسلام اور مسلم مخالف جو جنگ چھیڑ رکھی ہے اس کی نت نئی شکلیں سامنے آتی رہتی ہیں۔ حالیہ معاملہ معاشرے کی فلاح وبہبود اور ملک وملت کی تعمیر میں مصروف اداروں اور جماعتوں پر اس کی نظر بند سے تعلق رکھتا ہے۔ امریکہ کا دعویٰ ہے کہ دہشت گردوں کو حوالے کے ذریعے سے مالی تعاون حاصل ہورہا ہے اور مذہبی تعاون کے نام پر انہیں جو دولت حاصل ہورہی ہے اس سے دنیا میں بحران پیدا ہورہا ہے۔ اس لئے اس نے اس بحران پر قابو پانے کے لئے یہ فیصلہ کیا ہے کہ دہشت گرد تنظیموں کی ان اداروں تک رسائی روکنے میں سرکاری اقدامات کو فروغ دیا جائے جو انسانی بہبود یا مذہبی کارخیر کے لئے سرگرم رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں آئندہ چند دنوں کے اندر ہی ایک کانفرنس منعقد ہوگی۔ اس کی منصوبہ بندی ہوچکی اور تیاریاں بھی مکمل ہوگئی ہیں۔ بظاہر اس کا مقصد دہشت گردوں کے لئے سرمائے کی فراہمی پر روک لگانے کے لئے غوروخوض کرنا ہے۔

کانفرنس کس جگہ ہوگی اس کے لئے فال ہندوستان کے نام نکلا ہے۔ اس علاقائی کانفرنس میں جنوبی ایشیائی ممالک کے علاوہ یورپی یونین کے رکن ممالک اور امریکہ کے سرکاری حکام حصہ لیں گے۔ کانفرنس کا اہتمام امریکی سفارت خانہ اور ایشیائی پیسیفک گروپ نے کیا ہے۔ امریکہ کی کوشش ہے کہ مبینہ طور پر مذہبی تنظیموں کے توسط سے دہشت گردوں کو مالی تعاون حاصل ہورہا ہے، اس پر قابو پایا جاسکے۔ اس کانفرنس میں ایشیا پیسیفک گروپ آف منی لانڈرنگ کے تحت دہشت گردی کے اس علاقائی اور عالمی خطرے سے خیراتی سیکٹر کو تحفظ فراہم کرنے کی صورتوں اور امکانات کا جائزہ لیا جائے گا۔ جہاں تک امن عامہ، عدل وانصاف کے استحکام، اس کی ترویج کا معاملہ ہے تو شاید ہی اس سے کسی کو اختلاف ہو یا اس طرح کی کوشش کی کوئی مذمت کرے۔ معاملہ امریکہ کی پالیسی اور اس کی مراد کا ہے۔ اپنے مقصد کے حصول کے لئے خوبصورت الفاظ، تعبیرات اور پلان تیار کرنے میں اسے ید طولیٰ حاصل ہے۔ دہشت گردی کی اصطلاح اور دہشت گردوں سے اس کی مراد اب کسی سے مخفی نہیں رہی۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ اس کا مشن مسلمانوں کی بیخ کنی اوران کے لئے عرصۂ حیات تنگ کرنا ہے اوراس کے لئے وہ طرح طرح کے حربے استعمال کرتا رہا ہے۔ طالبان کے نام پر افغانستان کی تباہی اور حیاتیاتی ہتھیار کے نام پر عراق کی بربادی سب کے سامنے ہے۔ ایران اور دیگر مسلم ممالک کے تعلق سے اس کی پالیسیاں بھی سب پر عیاں ہیں۔

کانفرنس کی تفصیلات اور بعض جزیات تو اس کے انعقاد کے بعد منظر عام پر آئیں گی لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس پالیسی کا تعلق بھی مسلم مسائل میں اضافہ اوران پر شکنجہ کسنے سے ہی ہے خواہ اس کے لئے کتنے ہی خوبصورت الفاظ کیوں نہ استعمال کرلئے جائیں۔ ملی اور رفاہی اداروں کے لئے یہ لمحہ یقیناً باعث تشویش ہے کہ کہیں ان کا بھی حشر افغانستان اور عراق جیسا نہ ہو کہ امریکہ کے دعوے تو جھوٹ کا پلندہ ثابت ہوں لیکن فلاح وبہبود کا کام اوران کا انتظامی شیرازہ بکھر کر رہ جائے اور افسوس وندامت کے علاوہ ان کے ہاتھ کچھ بھی نہ آئے۔

خود حکومت ہند کو بھی امریکہ نوازی میں حد سے گزرنے سے پہلے اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہئے کہ اس کے اس اقدام کا تعلق کہیں حب انسانیت کے بجائے بغض ہمسائیگی سے تو نہیں ہے۔ یہ اس لئے بھی کہ خود حکومت بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ ملک کے اندر عیسائی اداروں اور ہندو تنظیموں کے پاس بیرون ممالک سے اربوں ڈالر کی امداد آتی ہے جبکہ مسلم تنظیموں کے پاس مذہبی امور کے لئے نا کے برابر پیسے آتے ہیں۔ پھر یہ کہ کیا دستور ہند کی رو سے یہ بات مناسب ہوگی کہ ملک کے طول وعرض میں جاری فلاح وبہبود کے کاموں کو نظر انداز کرتے ہوئے ان ممالک کا ساتھ دیا جائے اوران کے اشارے پر کام کیا جائے جو پوری دنیا میں ظلم وطغیان کے لئے جانے جاتے ہیں اور کیا ملک کے عوام کے لئے اس طرح کا اقدام قابل قبول ہوگا۔ ●●

افغانستان بنے گا شمالی ویت نام......؟

نیر زیدی (واشنگٹن)

فرانس کے صدر چارلس ڈیگال نے امریکہ کے صدر جان ایف کینیڈی کو مشورہ دیا تھا کہ وہ ویت نام کی دلدل میں نہ پھنسیں۔ ڈیگال نے اپنی خودنوشت سوانح عمری میں لکھا کہ کینیڈی نے ان سے اتفاق کیا اور کہا کہ ۱۹۶۴ء میں انہیں دوبارہ صدارتی انتخاب لڑنا ہے، اس کے بعد وہ ویت نام میں امریکی مداخلت ختم کردیں گے۔ کینیڈی کے دور صدارت کے ابتدائی ایام میں سی آئی اے نے جنوبی ویت نام کے مقبول لیڈر Ngo Dinh Dierr کی حکومت کا تختہ الٹ کر انہیں قتل کروادیا تھا۔ اس کے بعد جنوبی ویت نام میں کٹھ پتلی حکومت کی مدد کے لئے صدر کینیڈی نے دس ہزار "فوجی مشیر" بھیجے۔ یہ وہ سطح تھی جس پر ڈیگال نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ وہ ویت نام میں نہ پھنسیں۔ ویت نام اس سے پہلے فرانسیسی کالونی تھا۔ مجھے صحیح تاریخ یاد نہیں لیکن ۱۹۵۰ء کی دہائی کے وسط میں فرانسیسیوں کو فیصلہ کن شکست ہوئی تھی۔ جان ایف کینیڈی غالباً ۱۹۶۴ء کے الیکشن کے بعد ویت نام میں امریکی مداخلت ختم کرنے والے تھے۔ بعد میں صدر رچرڈ جانسن نے امریکی فوجوں کی تعداد پانچ لاکھ تک بڑھادی تھی، لیکن بالآخر شمالی ویت نام نے انہیں شکست دی۔ ویت نام ایک ملک بنا اور اب اس کی اقتصادی ترقی مثالی سمجھی جاتی ہے۔

یہ مختصر پس منظر افغانستان میں صدر بارک حسین اوباما کی نئی پالیسی کے تجزیے کے لئے ضروری تھا۔ مارچ کے آخر میں انھوں نے کہا کہ ۲۰۰۱ء میں افغانستان پر امریکی حملے کے بعد امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے "زبردست قربانیاں" دی ہیں اوران کا یہ سوال بالکل بجا ہے کہ آخر "ہم ابھی تک افغانستان میں کیوں لڑرہے ہیں اور ہمارا مقصد کیا ہے؟" ایک طویل وضاحت کے بعد انھوں نے کہا کہ "جو دہشت گرد ہم سے جنگ کررہے ہیں میرا پیغام ہے کہ ہم انہیں شکست دیں گے"۔

اس قسم کے ہدف یا الٹی میٹم پہلے بھی دیئے گئے ہیں۔ صدر رچرڈ جانسن نے بھی اس قسم کے اہداف کا اعلان کیا تھا لیکن وہ ویت نام میں کوئی ہدف کوحاصل نہ کرسکے۔

صدر بارک حسین اوباما نے کہا: "میں سب کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ نے افغانستان کی جنگ کا انتخاب نہیں کیا تھا۔ ۱۱/ستمبر ۲۰۰۱ء کو ہمارے تقریباً تین ہزار ہم وطن امریکی ہلاک ہوئے۔ ان کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ اپنی روزمرہ زندگی میں مصروف تھے"۔

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء اس وقت بھی تاریخ حاضرہ ہے۔ تیس یا چالیس برس کے بعد شاید معلوم ہو کہ کیا ہوا تھا۔ امریکہ میں ہر تیس برس کے بعد سرکاری دستاویزات پبلک میں ریلیز ہوتی ہیں۔ لیکن سانحے کے بعد صدر جارج ڈبلیو بش نے جو ابتدائی قانونی اقدامات کئے، ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ گیارہ ستمبر سے متعلقہ سرکاری دستاویزات تیس برس کے بعد جاری نہیں کی جائیں گی۔ کانگریس نے ویت نام کے خلاف اعلان جنگ کی منظوری لینے کے لئے صدر رچرڈ جانسن نے دعویٰ کیا تھا کہ ایک امریکی جنگی جہاز خلیج ٹاکن میں اپنے "روزمرہ معمولات" میں مصروف تھا کہ اچانک بغیر اشتعال کے شمالی ویت نام کی گن بوٹس نے اس جنگی جہاز پر حملہ کردیا جسے امریکہ اپنے خلاف اعلان جنگ سمجھتا ہے اور جوابی کارروائی امریکہ کا حق ہے۔ کانگریس نے منظوری دے دی۔ تیس برس کے بعد جب کاغذات جاری ہوئے تو پتہ چلا کہ شمالی ویت نام نے کوئی حملہ سرے سے کیا ہی نہیں تھا۔ فی الوقت نہ سہی لیکن سو برس میں شاید گیارہ ستمبر کے راز افشا ہوں۔

سترہ ہزار تازہ دم امریکی فوجیوں اور چار ہزار فوجی تربیت دینے والوں کو بھیجے جانے کے بعد افغانستان میں کل امریکی فوجوں کی تعداد ساٹھ ہزار ہوجائے گی۔

ویت نام کا رقبہ کم تھا اور وہاں پانچ لاکھ امریکی فوجی شمالی ویت نام اور جنوبی ویت نام کے محب وطن افراد کی چھاپہ مار جنگ پر قابو نہ پاسکے۔ افغان بھی تاریخی اعتبار سے ایک جنگجو قوم ہیں۔ اگر ویت نامیوں نے فرانس اور امریکہ کے قبضے سے خود کو آزاد کروالیا تو افغان قوم نے بھی برطانیہ اور سوویت یونین جیسی طاقتوں کو شکست دی۔

جہاں تک اہداف کا تعلق ہے تو دور حاضر میں اسرائیل کی مثال سامنے تھی۔ لبنان پر تیس برس سے متعدد حملوں میں انھوں نے کئی اہداف کا اعلان کیا۔ ۲۰۰۷ء کے حملے کا علانیہ ہدف "حزب اللہ" کی کمر توڑنا تھا۔ ۳۳ دن کی وحشیانہ بمباری کے بعد اسرائیلیوں کی خود کمر ٹوٹ گئی۔

صدر بارک حسین اوباما افغان فوج کی تعداد ایک لاکھ ۳۴ ہزار کرنا چاہتے ہیں۔ موجودہ ساٹھ ہزار امریکیوں کو ملاکر کل تعداد ایک لاکھ ۹۴ ہزار ہوجائیں گی اور وہ بھی ۲۰۱۱ء تک۔ اس وقت دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی؟ افغانستان میں سوویت یونین کی افواج کی تعداد ایک لاکھ پچیس ہزار سے ایک لاکھ ۸۵ ہزار تک تھی۔ ۸۵ ہزار سے تو انھوں نے ابتدائی حملہ کیا تھا۔ مقامی کٹھ پتلی حکومت کی مقامی فوج ملیشیا اور پولیس بھی تھی۔ امریکہ آٹھ برس کے بعد اپنی فوجوں کی تعداد ساٹھ ہزار کرسکا ہے اور اگلے دو برس میں مقامی فوج کی تعداد ملاکر ایک لاکھ ۹۴ ہزار ہوجائیں گی اوراس وقت افغان جنگ کو دس برس ہوچکے ہوں گے۔

پاکستان پر الزام ہے کہ وہ طالبان کی پناہ گاہوں کو ختم کرنے میں ناکام رہا ہے۔ ویت نام میں بھی یہی دعویٰ تھا کہ جنوبی ویت نام والے شمالی ویت نام سے بیزار ہیں۔ وہ جمہوریت چاہتے ہیں۔ دراصل لڑنے والے شمالی ویت نام سے آتے تھے یا پھر کمپوچیا میں ان کی پناہ گاہیں تھیں۔ ان پر بمباری ہوئی، جنگلوں کو آگ لگائی گئی، بین الاقوامی قوانین کے خلاف کیمیائی ہتھیار استعمال ہوئے۔

ایک غیور قوم جب مادر وطن کے دفاع کا ارادہ کرلیتی ہے تو اسے کوئی شکست نہیں دے سکتا خواہ وہ ویت نامی ہوں یا لبنانی یا پھر افغانی۔ "القاعدہ" نامی اگر کوئی خودمختار تنظیم ہے تو اس کا کوئی وطن نہیں ہے لیکن افغانوں کا وطن ہے۔ کیا ویت نام کی تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے؟ تاریخ اپنے آپ کو نہیں دہراتی، ہم اپنی غلطیوں کو دہراتے ہیں اوران کا نتیجہ وہی نکلتا ہے جو پہلے نکلا تھا۔ ●●

ڈنمارک میں توہین آمیز خاکے کی دوبارہ اشاعت اور فروخت

ڈنمارک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توہین آمیز خاکے جو ۲۰۰۵ء میں شائع کئے گئے تھے، ان میں سے ایک بہت ہی توہین آمیز خاکہ بطور خاص شائع کیا گیا ہے اور ایسے ایک ہزار چار سو کرونا، فی خاکہ کے حساب سے فروخت کیا جارہا ہے۔ جبکہ یہ خاکہ شائع کرنے اور فروخت کرنے والی "فری ہڈتھرک کمپنی" یعنی "آزاد پریس کمپنی" کا کہنا ہے کہ نبی اسلام ﷺ کا یہ خاکہ جس میں ان کی پگڑی میں ایک چنگاری دیتا ہوا بم دکھایا گیا ہے، لوگوں میں بہت مقبول ہے۔ روزنامہ پولیٹکن کے حوالے سے میڈیا رپورٹس میں بتایا گیا ہے کہ نبی اسلام کا یہ خصوصی خاکہ ایک ہزار کی تعداد میں شائع کیا گیا ہے اور متذکرہ اشاعتی کمپنی کے چیئرمین، لارس ہیڈی گورڈ کا کہنا ہے کہ اس خاکے کی فروخت پچھلے ہفتے سے جاری ہے اوراب تک چند سو افراد اسے خرید بھی چکے ہیں۔ لارس ہیڈی گورڈ کا کہنا ہے کہ اپنے آپ میں نبی اسلام کا یہ خاکہ، ہمارے عہد کا سب سے مشہور خاکہ یا قلمی تصویر ہے جو "مونالیزا" کی طرح مشہور ہے۔ ۲۰۰۵ء میں ڈنمارک کے روزنامہ یولینڈ پوسٹن میں نبی اسلام ﷺ کے توہین آمیز بارہ خاکے جب پہلی بار شائع ہوئے تھے تو پورے عالم اسلام میں ان پر سخت احتجاج کیا گیا تھا اور پاکستان سمیت، لبنان، شام اور ایران وغیرہ میں ڈنمارک مخالف پرتشدد احتجاجی مظاہروں کے دوران، ڈینش املاک یعنی سفارتی مشنوں کونقصان پہنچایا گیا تھا۔

نبی اسلام کی پگڑی میں بم سے چنگاری چھوڑتے ہوئے جس خاکے کو اب شائع کرکے فروخت کیا جارہا ہے، اس کے خریدنے والوں میں صرف خود ڈینش ہی شامل نہیں بلکہ یہ خاکہ شائع کرنے والی "فری ہڈتھرک کمپنی" کے چیئرمین لارس ہیڈی گورڈ کا کہنا ہے کہ جرمنی، رومانیہ، آسٹریا اور امریکہ سے بھی لوگوں نے اس خاکے کی خریداری کے لئے انہیں اپنے آرڈر بھجوائے ہیں۔ لارس ہیڈی گورڈ کا کہنا ہے کہ یہ خاکہ ہمارے اس عہد کا اظہار ہے جس میں ہم رہ رہے ہیں اوراس خاکے کے خریدار اسے فریم کرکے دیوار پر لٹکا سکتے ہیں یا پھر اسے اپنے بنک باکس میں اپنے لواحقین کے لئے بطور میراث رکھ سکتے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں کہ نبی اسلام کے اس خاکے کی دوبارہ اشاعت پر، ڈنمارک مخالف دوبارہ مظاہرے وغیرہ شروع ہوسکتے ہیں، لارس ہیڈی گورڈ کا کہنا ہے کہ ہم صرف ایک خاکہ شائع کررہے ہیں اور اگر کوئی اس پر شور مچانا اور گڑبڑ کرنا چاہتا ہے تو یہ اس کی اپنی صوابدید ہے۔

نبی اسلام کے اس "مخصوص خاکے" کی اشاعت کے منصوبے کے بارے میں "فری ہڈتھرک کمپنی" کے چیئرمین، لارس ہیڈی گورڈ کا خود اپنا خیال تھا اوران کا کہنا ہے کہ اس خاکے کی اشاعت کی دو وجوہ ہیں: اولاً ہم عملی طور پر دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہم واقعی میں قانونی طور پر اپنے پیغامات کو شائع کرنے اور انہیں پھیلانے کی آزادی رکھتے ہیں اور دوئم یہ کہ ہم اپنی "فری ہڈ تھرک کمپنی" یعنی "آزاد پریس کمپنی" کے لئے آمدنی کا ذریعہ بھی نکالنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ نبی اسلام کے شائع کئے گئے متذکرہ ایک ہزار خاکوں کی فروخت سے حاصل ہونے والا منافع کمپنی کو جائے گا۔ جو کمپنی کی "ویب سائٹ" کی ترقی کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ ●●

بلوچستان میں تشدد

کوئٹہ۔ بلوچستان میں دیگر صوبوں سے تعلق رکھنے والے افراد پر حملوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ کوئٹہ، مستونگ، پنجگور اور وڈھ میں ٹارگیٹ کلنگ اور دستی بم کے تازہ حملوں میں چار افراد ہلاک اور دس دیگر زخمی ہوگئے۔ حالیہ دنوں میں اس سلسلے میں اب تک سولہ افراد ہلاک ہوچکے ہیں۔

ممتاز شخصیات کو اعزاز

نئی دہلی۔ صدر جمہوریہ پرتبھا پاٹل نے تعلیم، ادب، صحافت، میڈیکل، سماج، اراضی، موسیقی، کھیل وغیرہ کے شعبوں میں قابل ذکر کام کرنے والی ۹۳ شخصیات کو پدم وی بھوشن، پدم بھوشن اور پدم شری اعزاز سے نوازا۔

ایران کا اقوام متحدہ سے مطالبہ

اقوام متحدہ۔ ایران نے اسرائیل کی دھمکیوں کے بارے میں اقوام متحدہ سے شکایت کی ہے۔ اس نے درخواست کی ہے کہ عالمی ادارہ سختی سے جواب دے کیونکہ اسرائیلی حکومت تہران کواس کی ایٹمی تنصیبات پر 'غیر قانونی اور گستاخانہ' دھمکیاں دیتا رہتا ہے۔ اسرائیلی افسران بشمول صدر شمعون پیریز نے حال ہی میں تجویز پیش کی تھی کہ یہودی ریاست ایران کو ایٹمی ہتھیار بنانے سے روکنے کے لئے فوجی طاقت استعمال کرسکتا ہے۔ مغربی ممالک کو شک ہے کہ ایران مہلک ہتھیار بنانے کی کوشش کررہا ہے۔ ایران کا اصرار ہے کہ وہ محض بجلی بنانے کے لئے ایٹمی ری ایکٹر بنانا چاہتا ہے۔ اقوام متحدہ میں اس کے سفیر نے کہا کہ اسرائیل اقوام متحدہ کے چارٹر کی خلاف ورزی کررہا ہے اور درخواست کی کہ اس کا واضح اور سختی سے جواب دیا جائے۔ ایرانی سفیر محمد قاضی نے کہا کہ اس طرح کی ہٹ دھرمی اور تذلیل آمیز دھمکیاں ایک آزاد ملک کے خلاف مجرمانہ اور دہشت گردانہ حرکت ہے۔ یہ صیہونی حکومت کے نہ صرف جارحانہ اور جنگ پسند مزاج کو ظاہر کرتی ہے بلکہ بین الاقوامی قانون کی صریح خلاف ورزی ہے۔ دراصل دو روز قبل پیریز نے اسرائیل کے کول ہی ریڈیو پر کہا تھا کہ اگر ایرانی صدر محمود احمدی نژاد یورینیم کو مقوی بنانے کے پروگرام کو نہیں روکتے تو ہم طاقت کا استعمال کریں گے۔ شمعون پیریز نے انٹرویو میں کہا کہ 'ہم ان پر حملہ کریں گے'۔ اسرائیلی وزیراعظم بنجامن نیتن یاہو کے معاون نے پچھلے ماہ کہا تھا کہ حکومت فوجی کارروائی پر غور کررہی ہے۔ ایرانی سفیر محمد قاضی نے کہا کہ یہ بیانات غیر قانونی اور گستاخانہ ہیں جو 'من گھڑت بہانے' بناکر دیئے جارہے ہیں۔

ہند۔ پاک کو امریکی مشورہ

اسلام آباد۔ امریکہ کے غیرملکی معاملوں کی کمیٹی کے صدر جان کیری نے پاکستان کے اپنے دورہ کے دوران آگے بڑھنے کے لئے نیا راستہ تلاش کرنے میں ہند۔ پاک کی مدد کی یقین دہانی کراتے ہوئے کہا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کو ایک دوسرے پر انگشت نمائی بند کرنی ہوگی۔ جان کیری نے کہا کہ ہندوستان کو یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ وہ دس سال میں کہاں جارہا ہے۔

ایگزٹ پول پر پابندی

نئی دہلی۔ الیکشن کمیشن کی ہدایت کے مطابق عام پارلیمانی الیکشن کے پہلے مرحلہ سے ایک روز قبل سے عوامی رجحان اور ایگزٹ پول کے نتائج کی اشاعت، ٹیلی کاسٹ پر پابندی عائد ہوگئی ہے جو کہ آخری مرحلے کی پولنگ ختم ہونے تک نافذ رہے گی۔ کمیشن کی یہ پابندی ریڈیو، ٹی وی، اخبارات ورسائل سمیت تمام ذرائع ابلاغ پر نافذ ہوگی۔

فکر معاصر

جمہوریت کا دفاع

جمہوریت ہم کو بہت عزیز ہے۔ ہم اس کی تعریف کرتے رہتے ہیں۔ ہندوستان کو سب سے بڑا جمہوری ملک بنانے پر فخر کرتے ہیں، مگر جمہوریت ہے کہاں؟ کیا کسی ملک میں الیکشن کمیشن کا ہونا اور اس کے ذریعے الیکشن کرالینا ہی جمہوریت ہے؟ ہمارا طرز عمل جمہوری ہے کہ نہیں؟ ہماری سیاسی جماعتوں میں جمہوریت باقی ہے کہ نہیں؟ ہم کسی بھی طرح جوڑ توڑ کر کے حکومت بنا لینے ہی کو جمہوریت سمجھتے ہیں؟ اگر ان باتوں پر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو بڑا عجب سا نظارہ پیش نظر ہوگا۔ کسی بھی جمہوری سیاسی جماعت میں جمہوریت نہیں ہے۔ کسی بھی پارٹی میں عہدیداران کا انتخاب جمہوری طریقے سے نہیں ہوتا۔ ہر پارٹی میں چند شخصیتوں نے کسی نہ کسی طرح اہمیت حاصل کرلی ہے وہ باہم مل کر سب فیصلے کرلیتی ہیں جن کو تمام پارٹی والوں کو تسلیم کرنا لازم ہوا کرتا ہے جو نہیں تسلیم کرتا وہ راندۂ درگاہ کردیا جاتا ہے۔ کسی بھی سیاسی جماعت میں نیچے سے اوپر تک تمام عہدوں پر جمہوری طریقے سے انتخاب نہیں ہوتا۔ زیادہ تر نامزدگی مخصوص شخصیتوں کے ذریعے ہوتی ہے۔ نچلے طبقے اور ابتدائی منزل پر پارٹی کے لئے کام کرنے والے مخلص کارکن کبھی کچھ نہیں حاصل کرپاتے جس سے وہ مایوس ہی رہتے ہیں۔ اسی لئے ادھر ادھر جاتے رہتے ہیں۔ سبھی سیاسی جماعتوں پر نچلے درجوں میں کام کرنے والے مخلص کارکنوں کی کمی رہتی ہے اسی لئے پارٹیاں ٹوٹتی اور بکھرتی رہتی ہیں۔ جمہوریت کو مستحکم کرنے اور اسے واقعی رہنے دینے کے لئے لازم ہے کہ کوئی بھی سیاسی جماعت کسی بھی طرح کے انتخاب میں ان کو ہرگز اپنا امیدوار نہ بنائے جو اس کے ابتدائی رکن بھی نہیں۔ ایسا ہونے سے لوگوں میں پارٹی کی رکنیت اختیار کرنے اور اسے برقرار رکھنے کا جذبہ بڑھے گا۔ پھر کوئی آسانی سے ایک پارٹی چھوڑ کر دوسری پارٹی میں جاکر حکومت اور عوام کے لئے طرح طرح کی مصیبتیں نہ پیدا کرسکے گا۔ آج پارلیمانی انتخابات ہورہے ہیں تو بڑے عجیب عجیب مناظر دیکھنے کو مل رہے ہیں سبھی پارٹیاں اپنے مخلص، وفادار اور ایماندار کارکنوں کو چھوڑ کر ادھر ادھر سے آدمی لاکران کو اپنا امیدوار بنارہی ہیں۔ ایسا جیت کو یقینی بنانے کے لئے کیا جارہا ہے لیکن یہ جمہوریت کو مضبوط کرنے نہیں بلکہ کمزور بنانے کا کام ہے جو لوگ وفاداری برقرار رکھتے ہیں، ایمانداری اور خلوص سے پارٹی کے لئے کام کرتے ہیں وہ جائز طور سے حق رکھتے ہیں کہ انتخابات کے وقت ان کی ہی پارٹی اپنا امیدوار بنائے اور ان کو ہر طرح کی مدد کرکے انہیں کامیاب کرانے کی کوشش کرے، لیکن جب ایسا نہیں ہوتا تو مخلص کارکن مایوس ہوجاتے ہیں، بجھ جاتے ہیں جو بغاوت اور مخالفت کرنے کی ہمت رکھتے ہیں وہ کھل کر مخالفت میں سامنے آجاتے ہیں۔ باقی دل ہی دل میں کڑھتے رہتے ہیں۔ وہ پارٹی کے لئے کام کرتے ہیں تو بس دکھانے کے لئے وہ دل سے کچھ نہیں کرتے کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ پارٹی میں ان کے ساتھ ناانصافی ہورہی ہے ۔ پارٹیاں بڑی بڑی شخصیتوں کو اپنا امیدوار بناکر ہر حال میں کامیابی حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ وہ کامیابی حاصل بھی کرلیتی ہیں مگر پارٹی کے اندر خلوص، ایمانداری اور وفاداری عنقا ہوجاتی ہے پھر جس کو جب بھی پارٹی کو نقصان پہنچانے کا موقع ملتا ہے وہ ذرا بھی لحاظ نہیں کرتا۔ یہ بات تسلیم کرلی جانی چاہئے کہ پارٹی کے اپنے لوگوں کو چھوڑ کر باہر کی پرکشش شخصیتوں کو امیدوار بنانے سے پارٹی کو کامیابی حاصل ہوجائے تب بھی پارٹی کو مضبوطی نہیں حاصل ہوسکتی۔ ایسا نہیں ہوسکتا تو جمہوریت بھی مستحکم نہیں ہوسکتی۔ آج ہر پارٹی اپنے مخلص کارکنوں کو چھوڑ کر ادھر ادھر سے لوگوں کو لاکر اپنا امیدوار بنارہی ہے جن کا پارٹی سے کبھی کوئی واسطہ نہیں ہوتا جو پارٹی کے ابتدائی رکن بھی نہ رہے اور جن کو پارٹی کے مقصد اور اصول وضوابط سے کوئی دلچسپی نہیں آج ان ہی کو سبھی پارٹیاں آگے کررہی ہیں اور توقع کی جارہی ہے کہ اس طرح ملک میں جمہوریت مستحکم ہوگی۔ یہ کوئی معقول بات نہیں ہے۔

(روزنامہ ''آگ''، لکھنؤ)

فیصلہ رائے دہندگان کو کرنا ہے

ظہیر الدین صدیقی، اورنگ آباد

آزاد ہندوستان کی ساٹھ سالہ تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو ہم بلاشبہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا ملک مسلسل ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ ۷۰ء کی دہائی میں جئے جوان جئے کسان کے نعروں کے ساتھ سبز انقلاب کے ذریعے ہم نہ صرف یہ کہ اناج اور دیگر اشیاء خوردنی کی فراہمی میں خودکفیل ہوگئے بلکہ ہم دیگر ملکوں کو اناج برآمد کرنے لگے۔ اس کے بعد صنعتی انقلاب کا دور شروع ہوا اس میں بھی ہم مسلسل ترقی کی منزلیں طے کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ آج ہماری کئی صنعتوں کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ آئی ایس او ۲۰۰۰ کے معیار پر پوری اترتی ہیں۔ ۸۰ء کی دہائی میں ہم نے الیکٹرانکس، مواصلات اور جدید ٹیکنالوجی کے میدان میں قدم رکھا اور ترقی کے نئے ریکارڈ قائم کردیے۔ سٹیلائٹ اور میزائل سے لے کر اٹامک ٹیکنالوجی میں ہم کسی بھی ترقی یافتہ ملک سے پیچھے نہیں ہیں۔ انڈین ریلویز کو یہ مقام حاصل ہے کہ دنیا کی بڑی ریلویز میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ ملک کے طول وعرض میں سڑکوں کا بہترین جال بچھا ہوا ہے۔ گرام سڑک یوجنا نے ہزاروں لاکھوں گاؤں، دیہاتوں کو شہروں سے جوڑ دیا ہے۔ ہوائی سفر گوکہ اب بھی ارزاں نہیں ہے لیکن ملک کے ہر بڑے اور اہم شہر کو یہ سہولت حاصل ہوچکی ہے۔ بحری، بری اور فضائی افواج پر مشتمل ہمارا دفاعی نظام ملک کو درپیش ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ ماضی قریب میں معرکہ کارگل میں ہم نے یہ ثابت بھی کردیا ہے۔ تعلیم کے میدان میں بھی ہمارا ملک کسی بھی ترقی یافتہ ملک سے پیچھے یا کمتر نہیں ہے بلکہ کچھ شعبوں جیسے سافٹ ویئر ٹیکنالوجی میں ہم دیگر ملکوں سے بہت آگے نکل چکے ہیں۔ غرض یہ کہ ہمارا ملک زندگی کے ہر شعبے میں مسلسل ترقی کی جانب گامزن ہے اور ہر آنے والے دن ترقی کی اس رفتار میں اضافہ ہورہا ہے۔ یہ سکے کا ایک رخ ہے جو انتہائی حسین، خوشگوار، مسرت آمیز، باعث سکون و اطمینان، حوصلہ افزا اور مثبت پہلوؤں کو اجاگر کرنے والا ہے۔ لیکن تمام تر ترقیات کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج بھی ملک کی تقریباً نصف آبادی سطح غربت سے نیچے زندگی گزار رہی ہے ۔ آج بھی ملک کے چالیس کروڑ افراد یومیہ صرف بیس روپے کی آمدنی پر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ تعلیمی اعتبار سے آج بھی ہمارے ملک کے بیشتر افراد ناخواندہ ہیں۔ آج بھی ملک کے ہزارہا دیہات پانی اور بجلی جیسی بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں۔ سبز انقلاب نے لوگوں کی ضرورتوں کو تو پورا کردیا لیکن ہمارا کسان آج بھی کسمپرسی کی حالت میں خودکشی کررہا ہے۔ پھر بھی حالات بہتر ہونے کی پوری گنجائش موجود ہے کیونکہ ہم ابھی ترقی پذیر ہیں، مکمل ترقی یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان مسائل کا خاتمہ بھی متوقع ہے۔

ملک کی تصویر کا دوسرا رخ نہایت مایوس کن، ناگوار، خفت آمیز، حوصلہ شکن تشویشناک اور منفی رجحانات کو بڑھاوا دینے والا ہے۔ مادی ترقی کے نتیجے میں انسان دن بدن مادہ پرست، خودغرض اور انسانی ہمدردی کے جذبوں سے عاری ہوتا جارہا ہے۔ ظاہری اسباب پر بھروسہ اور مادی پرستی نے انسان کو اس قدر بے رحم کردیا ہے کہ آج ہماری لاکھوں بیٹیاں پیدا ہونے سے قبل ماں کی کوکھ میں ہی قتل کردی جارہی ہیں اور کسی کو اس گناہ کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ جب انسان خود اپنی اولاد کے ساتھ یہ سلوک کرسکتا ہے تو اس سے غیروں کے ساتھ حسن سلوک اور نیکی کے برتاؤ کی امید کیسے کی جاسکتی ہے؟ ''ہم دو ہمارے دو'' کے نعرے نے بظاہر عوام کو بڑا مطمئن کردیا لیکن اس کے نتائج جواب سامنے آرہے ہیں بڑے تشویشناک ہیں۔ ایک طرف عورتوں کی صحت تباہ ہورہی ہے تو دوسری طرف مرد اور خواتین کا تناسب دن بدن گھٹ رہا ہے۔ اگر یہی حال رہا تو ماہرین کو ڈر ہے کہ ملک میں عورتوں کی عزت وآبرو انتہائی غیر محفوظ ہوجائے گی۔ جھوٹ، فریب، مکاری، دھوکا دہی، بے ایمانی اور چاپلوسی کو ہنر اور فن کا درجہ حاصل ہوچکا ہے۔ ہر طرف رشوت کا بازار گرم ہے۔ ''رشوت لے کر پکڑا جائے تو رشوت دے کر چھوٹ جا'' کا اصول عوامی سطح پر تقریباً تسلیم کیا جاچکا ہے۔ بدعنوانی اور گھپلے اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ جانوروں کے چارے سے لے کر شہیدوں کے کفن بھی اس کی لپیٹ میں آگئے ہیں۔ قوم، نسل، ذات پات کے ساتھ ساتھ لسانی اور علاقائی بنیادوں پر بھی ملک کو تقسیم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ جس کی وجہ سے ملک کی سالمیت کو خطرہ لاحق ہوگیا ہے۔ ایک طرف ملک کی گنگا جمنی تہذیب مٹتی جارہی ہے تو دوسری طرف تہذیبوں کے ٹکراؤ کے نتیجے میں پیدا ہونے والی نئی تہذیب میں اخلاقی قدریں، معاشرتی اصول، رشتوں کا تقدس، زوجین کی وفاداریاں، ایثار، قربانی، صلہ رحمی کے جذبات سب کچھ پامال ہورہے ہیں۔ آرٹ اور فن کے نام پر عورتوں کی برہنگی، فیشن کے نام پر عریانیت، فحاشی اور بے شرمی عام ہوگئی ہے۔ آزادیٔ نسواں کے نام پر عورتوں کو بازار کی زینت بنا دیا گیا ہے تو کاروباری اشتہارات کے لئے عورتوں کا استحصال عام بات ہوگئی ہے۔ نوجوان نسل میں جنسی اختلاط، شراب، جوا اور نشلی ادویات کا اندھادھند استعمال عام ہوتا جارہا ہے۔ غرض یہ کہ وہ کونسی اخلاقی برائی ہے جو آج کے معاشرے میں موجود نہیں ہے اور جس میں مسلسل اضافہ نہیں ہورہا ہے؟

غربت اور افلاس کی کوکھ سے جنم لینے والے جرائم اور جرائم پیشہ افراد کیا کم تھے کہ اب ان میں سفید پوش مجرمین کا بھی اضافہ ہوگیا ہے جو ملک کی معیشت کو دن بدن کھوکھلا کررہے ہیں۔ تیلگی اسٹامپ پیپر معاملہ اور ستیم کمپیوٹرس تو وہ معاملات ہیں جو اتفاقاً منظر عام پر آگئے ہیں ورنہ ایسے کتنے ہی تیلگی اور رام لنگم راجو ہیں جو ملک کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ سیاست میں مکاری اور چالبازی تو پہلے ہی سے موجود تھی لیکن جرائم پیشہ افراد کی دراندازی نے سیاست کے معنی ہی بدل دیے ہیں۔ اب سیاست خدمت خلق کے لئے نہیں بلکہ جرائم کی پردہ پوشی اور مجرمین کی روپوشی کا ذریعہ بنتی جارہی ہے۔ حصول اقتدار کے لئے ملک میں فرقہ پرستی کا ماحول پیدا کیا جارہا ہے۔ فرقہ پرستی کی وجہ سے ملک کی فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا اس قدر آلودہ ہوچکی ہے کہ سانس لینا دوبھر ہوتا جارہا ہے۔ خصوصاً نوجوان نسل میں مذہبی منافرت کو پروان چڑھایا جارہا ہے۔ معصوم ذہنوں میں نفرت کے ایسے بیج بوئے جارہے ہیں جو عمر کے ساتھ ساتھ نفرت کے تناور درخت میں تبدیل ہوکر پروین توگڑیا، ونے کٹیار، اشوک سنگھل، نریندر مودی، سادھوی پرگیا سنگھ ٹھاکر اور دیانند پانڈے کی صورت میں سامنے آرہے ہیں۔ اس ذہن سازی کی بدترین مثال گاندھی خاندان کے رکن ورون گاندھی کی ہے۔ وہ گاندھی پریوار جس کی مذہبی رواداری کی قسمیں مسلمان کھاتے رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ آئندہ نسلیں قومی یکجہتی اور بھائی چارہ جیسے الفاظ سے ناآشنا رہ جائیں گی۔ کہیں لوگوں کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے تو کہیں مذہب کی تبلیغ کرنے والوں کو زندہ جلایا جارہا ہے، کبھی مذہبی شعار کو ہدف بنایا جارہا ہے تو کبھی مذہبی تشخص کو مٹاکر مین اسٹریم میں شامل ہونے پر اصرار کیا جارہا ہے۔ پہلے فرقہ وارانہ کشیدگی، گروہی تصادم اور فسادات کا ذریعہ بنتی تھی لیکن اب دہشت گردی کے روپ میں سامنے آرہی ہے۔ دہشت گردی کے واقعات نے اس وقت سنگین رخ اختیار کرلیا جب ان کارروائیوں میں جرائم پیشہ افراد کی جگہ تعلیم یافتہ افراد کو ملوث کیا جانے لگا حتیٰ کہ سادھو، سادھوی اور مہنت بھی اس میں شامل ہوگئے اور حد تو یہ ہوگئی کہ ملک کو جس پر ناز ہے اس فوج کے سابقہ اور موجودہ میجر اور کرنل کا نام بھی ان دہشت گردانہ کارروائیوں کے سلسلے میں سامنے آگیا۔ سماجی ناانصافی کا یہ عالم ہے کہ آج بھی سماج کے مخصوص طبقات کے ساتھ غیر مہذب سلوک جاری ہے۔ کہیں پسماندہ اقوام کی خواتین کا برہنہ جلوس نکالا جارہا ہے تو کہیں پچھڑے قبائل کے افراد کو آج بھی عبادت گاہوں میں داخلے کی اجازت نہیں ہے۔

ملک کی موجودہ صورتحال کا سب سے خطرناک اور تشویشناک پہلو یہ ہے کہ ہندوستان کے جمہوری نظام حکومت کو تبدیل کرکے ایک ہندو راشٹر بنانے کی کوشش ہورہی ہے۔ اس کے لئے فاشسٹ طاقتیں چند جنونی افراد کی مدد سے ملک میں نفرت کا ایسا ماحول پیدا کررہی ہیں کہ انسان انسان کا دشمن بنتا جارہا ہے جو کسی طرح بھی ملک اور قوم کے حق میں درست نہیں ہے۔ کیونکہ کسی بھی ملک میں مذہبی منافرت اور سماجی ناانصافی کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک بدامنی اور خانہ جنگی کا شکار ہوجاتا ہے اور ملک کی سالمیت خطرے میں پڑجاتی ہے۔ غرض یوں لگتا ہے کہ آج ہمارے ملک میں ترقی اور تخریب کاری، مادی ترقی اور اخلاقی گراوٹ، سیکولرزم اور فاشزم، سیاست اور کرمنلائزیشن، اقتدار اور فرقہ پرستی، سماجی انصاف اور مذہبی منافرت، آزادیٔ نسواں اور عریانیت، مالی وسائل اور بے راہ روی، متوازی طور پر ایک ساتھ چل رہے ہیں اور اس کے لئے بہت حد تک حکومت اور ارباب اقتدار ذمہ دار ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ سلسلہ کب اور کیسے ختم ہوگا۔ ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ یہ سلسلہ اس وقت تک ختم نہیں ہوسکتا جب تک ملک میں ایسا نظام حکومت قائم نہ ہوجائے جو خالق کائنات کی مرضی ومنشاء کے عین مطابق ہو، جس کے ارباب مجاز خوف خدا اور آخرت میں جوابدہی کے احساس سے ہر وقت لرزہ براندام رہتے ہوں۔ دنیوی زندگی پر آخرت کی زندگی کو ترجیح دیتے ہوں۔ جن کے پاس انسانی مساوات کا واضح تصور موجود ہو، جو ظاہری اسباب سے زیادہ مالک کل پر توکل کرتے ہوں۔ اس کی رضا میں راضی رہتے ہوں۔ جو رب العالمین کو علیم، بصیر، خالق، مالک، ستار، غفار کے ساتھ ساتھ قہار اور جبار بھی مانتے ہوں۔ یہی وہ نظام ہے جو ملک میں امن وامان قائم رکھ سکتا ہے اور ملک کو حقیقی معنی میں ترقی یافتہ بنا سکتا ہے۔ ظاہر ہے آج ہمارے ملک میں ایسا کوئی نظام حکومت قائم نہیں ہے۔

ملک کے موجودہ جمہوری نظام حکومت میں ان برائیوں کو ختم کرنا تو ممکن نہیں مگر بہت حد تک روکا جاسکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بہت ساری برائیوں کی روک تھام صرف حکومت اور ارباب حکومت کی ذمہ داری ہے اور عوام بے بس اور مجبور ہیں کیونکہ یہ ان کے اختیار میں نہیں۔ لیکن جمہوری نظام میں عوام کو یہ حق اور اختیار حاصل ہے کہ وہ ان طاقتوں کو اقتدار سے دور رکھ سکتے ہیں جو ملک کو تباہی کی طرف لے جارہی ہیں۔ یہ جمہوری نظام کی خصوصیت ہے کہ ملک کے صدر سے لے کر ایک خادم تک اور ایک صنعت کار سے لے کر غریب فقیر تک ہر ایک کو صرف ایک ہی ووٹ دینے کا حق ہے اور ہر ووٹ کی قیمت بھی یکساں ہے۔ چنانچہ عوام کو جس بات کا اختیار حاصل ہے اگر اس کا صحیح استعمال کیا جائے تو حالات بہت حد تک بدل سکتے ہیں۔

جب تک ملک میں جمہوری نظام حکومت قائم ہے اس وقت تک عوام اپنے اس اختیار کو استعمال کرسکتے ہیں اور ایوان حکومت میں ایسے افراد کو بھیج سکتے ہیں جن کا کردار پاک وصاف ہو، ماضی بے داغ ہو، مستقبل کے عزائم نیک نیتی اور خلوص پر مبنی ہوں۔ جو سیاست کو عبادت اور خدمت خلق کا ذریعہ سمجھتے ہوں۔ کرپشن، بدعنوانی کو ناجائز مانتے ہوں، جو انسانوں سے انسانیت کی بنیاد پر سلوک کرنا جانتے ہوں ۔ جو جمہوریت پر یقین رکھتے ہوں اور چاہتے ہوں کہ اس ملک میں جمہوری نظام قائم رہے۔ ایسے ہی افراد ملک میں پھیلی ہوئی برائیوں کی روک تھام کرسکتے ہیں۔ یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ ایسے نمائندے ہیں کہاں جنہیں ہم منتخب کرسکیں؟ انتخابات میں اچھے اور باکردار امیدوار کھڑے کرنا عوام کے اختیار میں نہیں ہوتا انہیں تو ان ہی امیدواروں میں سے کسی کو منتخب کرنا پڑتا ہے جو سیاسی جماعتیں ان پر لاد دیتی ہیں۔ ہم زیادہ سے زیادہ یہ کرسکتے ہیں کہ بروں میں کم برے کو منتخب کرسکتے ہیں۔ لیکن مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ آج بھی ہندوستان افراد کی کمی نہیں ہے ۔ صرف یہ ہے کہ وہ یا تو منتشر اور گمنام ہیں، یا سیاسی گلیاروں میں ان کا قد بہت چھوٹا ہے۔ عوام کو صرف یہ کرنا ہے کہ ان بے لوث خدمت گاروں کو شناخت کرکے ان کی ہمت افزائی کریں اور انہیں اقتدار کی کرسیوں تک پہنچانے میں تن من دھن سے ساتھ دیں۔ ہمیں ہار جیت کی سیاست کو ترک کرکے اصولوں اور اقدار کے لئے اپنے ووٹوں کا استعمال کرنا ہوگا۔ آپ کے اس عمل سے ہوسکتا ہے کہ شروع میں آپ کو مایوسی ہو لیکن یقین جانئے اگر ایک بار یہ سلسلہ شروع ہوگیا تو راستے خود بخود سامنے آتے جائیں گے۔ آزادی کے بعد ساٹھ برسوں سے ہم صرف ہار جیت کی سیاست کرتے رہے ہیں ۔ اب وقت آگیا ہے کہ نئے تجربے کیے جائیں۔

●●

غربت اور افلاس کی کوکھ سے جنم لینے والے جرائم اور جرائم پیشہ افراد کیا کم تھے کہ اب ان میں سفید پوش مجرمین کا بھی اضافہ ہوگیا ہے جو ملک کی معیشت کو دن بدن کھوکھلا کررہے ہیں۔ تیلگی اسٹامپ پیپر معاملہ اور ستیم کمپیوٹرس تو وہ معاملات ہیں جو اتفاقاً منظر عام پر آگئے ہیں ورنہ ایسے کتنے ہی تیلگی اور رام لنگم راجو ہیں جو ملک کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ سیاست میں مکاری اور چالبازی تو پہلے ہی سے موجود تھی لیکن جرائم پیشہ افراد کی دراندازی نے سیاست کے معنی ہی بدل دیے ہیں۔

سدّ مروی افریقہ کا عظیم ترین ڈیم

تحریر: محمد حسن طنون
ترجمہ: مسعود الرحمان خان ندوی

سوڈان کے صدر عمر البشیر کے خلاف بین الاقوامی کورٹ کی قرارداد سے ایک دن قبل سوڈان نے سدّ مروی کی تعمیر کے کام کے افتتاح کا جشن منایا، یہ سوڈان کی جدید تاریخ کا اہم ترین واقعہ اس لئے ہے کہ مروی باندھ (ڈیم) کا منصوبہ سوڈان کے اقتصادی منصوبوں میں سب سے بڑا ہے ۔ اس بڑے منصوبے کی اہمیت اس وقت ظلم وزیادتی کی طاقتوں کے سوڈان کے خلاف متحد ہوجانے کی وجہ سے مزید بڑھ گئی ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ یہ منصوبہ حقیقی عرب تعاون سے ظہور پذیر ہورہا ہے۔ چنانچہ درج ذیل عرب فنڈز نے اس کے مصارف میں سے تقریباً نصف حصہ کی مالیات فراہم کی ہیں: (۱) الصندوق العربی للانماء الاقتصادی والاجتماعی ۲۶۵ ملین ڈالر (۲) الصندوق السعودی للتنمیة ۲۵۰ ملین ڈالر (۳) صندوق ابوظبی للتنمیة ۱۵۰ ملین ڈالر (۴) الصندوق الکویتی للتنمیة ۱۰۰ ملین ڈالر (۵) حکومة سلطنة عمان ۱۰۶ ملین ڈالر (۶) حکومة قطر بطور عطیہ ۱۵ ملین ڈالر۔ جشن کے دوران ان فنڈز کے نمائندوں کے چہرے خاموشی سے تمتمارہے تھے اس لئے کہ ان کی فراہم کردہ مالیات کے صحیح استعمال سے یہ عظیم مفید کارنامہ انجام کو پہنچ رہا ہے۔ سوڈان کی تاریخ میں یہ سدمروی انجینئرنگ کا نمو پذیر عظیم ترین کارنامہ شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ مشترک عرب عمل کا بھی ایک اچھا نمونہ ہے اور اس کا فائدہ انشاء اللہ تمام عرب اور مالیات فراہم کرنے والوں کو پہنچے گا۔ یہ ڈیم اصل نہر نیل کے قریب جزیرہ مروی کے چوتھے آبشار پر خرطوم کے شمال میں ۳۵۰ کلومیٹر اور سوڈان کی شمالی حدود سے ۳۳۰ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ گزشتہ صدی کی چوتھی دہائی سے جاری غور وفکر اور مطالعہ ومشاہدہ کے بعد اس جگہ کو مناسب ترین پایا گیا تھا۔ ڈیم پر ۱۷۶ کلومیٹر لمبا بحیرہ چوتھے آبشار سے جنوب میں ابو حمد علاقے تک پھیلا ہوا ہوگا اور ڈیم کا عرض ۹.۲ کلومیٹر اور بلندی ۶۷ میٹر ہوگی، بجلی پیدا کرنے کا اسٹیشن دس ٹربائن یونٹوں سے بنے گا جن میں سے ہر ایک کی پیداواری طاقت ۱۲۵ میگاواٹ کے حساب سے کل پیداواری طاقت ۱۲۵۰ میگاواٹ ہوگی۔

اس ڈیم کے متعدد فوائد ہوں گے۔ وہ صاف ستھری اور سستی بجلی کی پیداوار کے علاوہ اقتصادی ترقی میں حصہ لے گا، شمالی صوبہ کے شہروں اور دیہاتوں کو ہلاکت خیز سیلابوں سے بچائے گا۔ مچھلی پیدا کرنے کا بحیرہ اور مچھلی سے بنی ہوئی چیزوں کے کارخانے فراہم کرے گا۔ اس علاقے کی نہری ملاحت کو بہتر اور دریائے نیل کے خطرات کو کم کرے گا، زراعتی زمینوں کی بڑی مساحتوں کو سیراب کرے گا اور موجودہ زراعتی منصوبے جو پائپوں سے سینچے جاتے ہیں کو ایندھن سے پیدا کی ہوئی مہنگی طاقت کے بجائے سستی طاقت فراہم کرے گا، متعدد دیگر منصوبوں کے شروع کرنے کا باعث ہونے کی وجہ سے اس کا فائدہ مزید پھیلے گا، بڑے پیمانے پر اقتصادی سرگرمی وحرکت سے روزگار کے مواقع بڑھیں گے، اس طرح سے وہ سوڈان سے فقر وفاقہ دور کرنے کا ایک منصوبہ ہے۔

اس ڈیم کے قیام کے ساتھ دیگر متعدد نموخیز منصوبوں میں اہم ترین منصوبے یہ ہیں:

● مطار مروی الاولی: یہ ہوائی اڈہ جدید ترین طریقے پر بنا ہے، یہ ہوائی اڈہ ہنگامی حالات میں خرطوم ہوائی اڈے کی مدد بھی کرے گا، نیز شمالی صوبوں کی خدمت انجام دے گا ● جسر الصداقة: یہ پل شہر کریمہ کو مروی سے جوڑتا ہے اور چین وسوڈان کے مابین دوستی وتعاون کی نمائندگی کرتا ہے ● اس منصوبے کے ساتھ نہر نیل پر دیگر متعدد پلوں میں سے دنقلاف میں الدامر، شندی، السلیم، وغیرہ پل ہیں ● اس کے علاوہ ۳۱۱ کلومیٹر لمبائی کی متعدد ڈامر سڑکیں بنی ہیں جو شمالی حصے کی زندگی میں اقتصادی سرگرمی کو بڑھائیں گی۔

ان کے علاوہ دیگر سڑکیں یہ ہیں: مروی۔السد اور السد۔مروی، عطبرہ، کریمہ، دنقلا، اور شمال میں دنقلا کے راستے سے السلیم تک مروی۔ نارا سڑک جو اس علاقے کو سوڈانی۔مصری حدود سے مروی ڈیم تک جوڑے گی اور یہ راس رجاء الصالح کے بڑے راستے کا ایک جزء ہوگی جو مصر میں الاسکندریہ سے جنوبی افریقہ میں کیپ ٹاؤن تک جائے گا۔

ڈیم کی تعمیر سے متاثر ہونے والے لوگوں کو حکومت نے باندھ کے پانی کے آس پاس آباد کرکے ترقی یافتہ معیشت اور بہتر زندگی فراہم کی ہے اور ان کے ماحول و پیشے کو اس نقل وحرکت سے متاثر ہونے نہیں دیا گیا ہے یعنی اسی علاقے میں آباد کرکے ان کو بڑے زراعتی منصوبوں سے جوڑ دیا گیا ہے جو براہ راست دریائے نیل سے سینچے جاتے ہیں، نیز ان کو تمام سوشل خدمات فراہم کی جاتی ہیں جن کی وجہ سے ان کی زندگی مستحکم اور ترقی یافتہ ہوگئی ہے۔ ان آبادیوں کے آس پاس مستقبل کی ضروریات کے خیال سے بڑی کشادہ مساحتیں خالی رکھی گئی ہیں اور ان آبادیوں سے بازاروں کے قرب کو یقینی بنایا گیا ہے تاکہ ان کی پیداواری چیزوں کی مارکیٹنگ آسان ہو اور ان علاقوں کو ڈامر روڈز کے ذریعے نیشنل راستوں سے جوڑ دیا گیا ہے تاکہ ان کی پیداوار بڑے بازاروں میں سہولت سے پہنچ سکے۔ اس طرح باندھ کی تعمیر سے متاثر ہونے والوں کے شہروں اور گاؤوں کے قریب تمام وسائل زندگی فراہم ہوجانے کے بعد وہ لوگ اپنی نئی آبادیوں میں سکون واطمینان کی مستحکم زندگی گزاریں گے۔

اس ڈیم کے سوڈان کے لئے عام طور پر اور شمالی حصے کے لئے خاص طور پر بڑے اقتصادی فوائد یقینی ہیں۔ توقع ہے کہ نہری سینچائی کے ذریعے ایک ملین فدان سے زیادہ زمین میں گیہوں کی زراعت کم خرچ سے ہوگی، جبکہ پائپ لائنوں کے ذریعے سینچائی میں پٹرول/ڈیزل کی وجہ سے زیادہ اخراجات کے باوجود محدود رقبے میں زراعت ہو پائی تھی، یہ بھی امید ہے کہ بجلی و پانی کی فراوانی اور بنیادی خدمات: صحت، تعلیم اور مختلف سوشل سروسز کی دستیابی کی وجہ سے متعلقہ گاؤوں وشہروں کی پیداوار اعلیٰ معیار کی ہوگی اور بحیرہ میں موجود مچھلی کا استعمال وسیع پیمانے پر ہوسکے گی اور چونکہ شمالی علاقہ امراض سے خالی ہے، گھاس بڑی مقدار میں ہوگا اس لئے حیوانی پیداوار کو بڑے پیمانے پر بڑھایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح شمالی صوبے میں اعلیٰ قسم کی کھجوروں کے دس ملین پودوں کی زراعت ممکن ہوگی اس لئے کہ اس علاقے میں اس کام کے لئے مٹی اور آب وہوا بہت مناسب ہے۔ اسی طرح اس علاقے کی آب وہوا موسم سرما وگرما میں ہر قسم کے محصولات اور حوض البحر المتوسط کے تمام پھلوں کی زراعت کے لئے مناسب ہے۔ اگر ان سب امکانات کو صحیح طریقے پر استعمال کیا جائے تو یہ مقولہ صحیح ثابت ہوگا کہ ''سوڈان عالم عربی واسلامی کی غذا کی ٹوکری (Basket) ہے''۔ ڈیم کی تعمیر سے حاصل ہونے والے یہ تمام امتیازات اس خطے کو استثمار (Investment) وسیاحت کے لئے بھی پرکشش بنائیں گے اور غیر ممالک میں اس علاقے کے رہنے اور کام کرنے والے فرزندوں کی وطن واپسی میں معاون ہوں گے۔ اس ڈیم کی وجہ سے سوڈان کی غیر پٹرولیم برآمدات میں بھی اضافہ ہوگا۔ خاص طور سے موجودہ مالی بحران کے زمانے میں جبکہ سوڈان کے بجٹ کا بڑا حصہ پٹرول پر انحصار کرتا ہے۔ اب زمانہ آگیا ہے کہ زراعت، حیوانی ثروت، زراعتی صنعتوں اور ظاہر زمین کی دولت پر اول درجے میں اعتماد کیا جائے۔ عرب ومسلم سرمایہ کاروں پر بھی واجب ہے کہ وہ اپنے ملک سوڈان واپس آئیں جو مالیاتی امور میں اسلامی منہج کے مطابق کام کرتا ہے، اس لئے مالی انہدام کا خطرہ بھی نہیں ہے جیسا کہ سودی کاروبار کرنے والے ترقی یافتہ ممالک میں ہورہا ہے۔

(ہفت روزہ المجتمع، کویت)

طبقہ علماء پر اعتراضات کا جائزہ

عبد الحنان سیوانی ندوی
جدہ، سعودی عربیہ

گزشتہ دنوں مشہور اسکالر اصغر علی انجینئر کا ایک مضمون انگریزی ویب سائٹ ”ٹو سرکلس ڈاٹ نیٹ“ پر پڑھنے کا موقع ملا۔ مضمون کافی عمدہ تھا۔ حالات حاضرہ پر بہت بہترین تبصرہ بھی تھا۔ مضمون کا عنوان خود مضمون کی عکاسی کر رہا تھا۔ ابتداء بھی کافی اچھی تھی، تجاویز بھی بہت عمدہ تھیں لیکن چند ہی پیراگراف کے بعد وہی باتیں شروع ہوگئیں جو عام طور سے مسلم انگریزی داں طبقے کا طرۂ امتیاز ہے۔ موصوف مسلمانوں کے عروج وزوال کی داستان بیان کر رہے تھے تو علماء اور مدارس کا ذکر کیوں نہ ہوتا۔ لہٰذا علماء، مدارس کے تعلیمی نصاب اور اسلامی تاریخ کے چند مورخین بھی ان کے قلم کی زد میں آگئے۔

ایک جگہ تو موصوف دارالعلوم دیوبند کو کسی بڑی یونیورسٹی میں بدلنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں: ”مدارس کو خاص طور سے بڑے مدارس جیسے دارالعلوم دیوبند کو کسی موڈرن یونیورسٹیوں میں بدل دینا چاہیے تاکہ وہ موڈرن نصاب جو یونیورسٹیز میں نافذ العمل ہیں ان میں بھی پڑھایا جاسکے۔“ موصوف کا کہنا ہے: ”میری کوشش ہے کہ ہمارا نقطۂ نظر قرآن حکیم ہونا چاہیے نہ کہ قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے ان راستوں کو اختیار کرنا جسے ماضی کے علماء اور مفتیان نے اختیار کیا ہے۔“

یہ بات تو اصغر علی انجینئر ہی بتاسکتے ہیں کہ انہیں یا کسی بھی مسلم کو ایسا کرنے یا قرآن پاک کو سمجھنے یا اسے پڑھنے سے کس نے روکا ہے۔

انٹرنیٹ پر ہزاروں ایسی سائٹیں ہیں جو قرآن پاک کے مفاہیم کو اور اسلام کو غلط انداز میں پیش کر رہی ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی ایسا کرنے سے پہلے علماء یا مفتیان کرام سے اجازت لینا ضروری یا مناسب سمجھا ہو تو پھر موصوف کو یا کسی مسلم کو کس نے ایسا کرنے سے روکا ہے۔ بہر حال موصوف نے بہت کچھ لکھا ہے اور اس کا جواب بھی بہت ہی مدلل انداز میں دیا جاسکتا ہے۔ پورے مضمون کا ماحصل یہ ہے کہ اگر علماء اپنی فکر کو بدل دیں اور مدارس کو یونیورسٹیز میں بدل دیا جائے تو مسلمانوں کے زوال کو روکا جاسکتا ہے اور مسلمان پھر سے اپنے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کرسکتے ہیں۔

کچھ ایسے ہی خیالات کا اظہار شیروانی مصطفیٰ نے سپریم کورٹ کے ایک جج کے ذریعے داڑھی پر دیے گئے بیان کو لے کر اپنے ایک مضمون میں کیا ہے۔ اس مضمون کو ”خبریں ان ڈاٹ انفو“ پر پڑھا جاسکتا ہے۔ شیروانی بہت ہی تفصیل سے داڑھی اور اس کے متعلقات پر تبصرہ کرتے ہیں لیکن ان کے خیال میں اگر مسلمانوں کو آگے بڑھنا ہے اور اس طرح کے حالات سے بچنا ہے تو انہیں بقول ان کے 'ملائیت' کے چنگل سے نکلنا ہوگا۔ موصوف لکھتے ہیں: ”وقت آچکا ہے کہ مسلم کمیونٹی قرآن کو صحیح معنوں میں سمجھے اور تاریک ملائیت سے دور رہتے ہوئے اکیسویں صدی کی ترقی یافتہ دوڑ میں شامل ہوجائے۔“

اب تو یہ شیروانی صاحب ہی بتاسکتے ہیں کہ جب انہیں اکیسویں صدی کی ترقی یافتہ دوڑ میں شامل ہونے سے کوئی نہیں روک سکا تو پھر عام مسلمانوں کو کون روک رہا ہے۔ اچھا ہوتا اگر وہ چند علماء کے نام بھی گنا دیتے جو مسلمانوں کو ترقی سے روکنا چاہتے ہیں۔

یہ صرف چند مثالیں ہیں۔ ورنہ ایسے مسلم قلم کاروں کی کمی نہیں ہے جن کے قلم سے نکلنے والے مضامین ہر روز مسلمانوں کو اور غیر مسلمین کو ایک تاریک مستقبل کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ کیا واقعی ایسا ہی ہے کہ اگر علماء پینٹ شرٹ پہننے لگیں اور مدارس کے نصاب کو نکال کر یونیورسٹیز کے نصاب کو داخل کردیا جائے تو کیا مسلمانوں کو ترقی کرنے سے کوئی روک سکتا؟ کیا حقیقت حال ایسی ہی ہے؟ کیا واقعی ایسا ہی ہے کہ مسلمانوں کے زوال کی ذمے داری علماء اور مدارس پر ہے اور کیا واقعی علماء ہی اس کے ذمے دار ہیں؟

پوری دنیا میں تقریباً ۵۷ ایسے ممالک ہیں جہاں مسلمانوں کی اپنی حکومت قائم ہے اور ان ۵۷ ممالک میں صرف سعودی عرب کو اگر چھوڑ دیا جائے (حالانکہ اب یہاں بھی صورت حال تیزی سے بدل رہی ہے۔ مئی میں ہندوستان، پاکستان اور بعض دوسرے ممالک کی فلمیں جدہ اور دیگر شہروں میں نمائش کے لیے پیش کی گئی تھیں اور حالیہ برسوں میں سعودی حکومت نے بہت سے ایسے فیصلے لیے ہیں جس سے سعودی عرب کو موجودہ دور کی اصطلاح میں موڈرن بنانے میں کافی مدد ملے گی) بہر حال سعودی عرب کے علاوہ شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو جہاں علماء سے باضابطہ مشورہ لیا جاتا ہو اور حکومت علماء کے مشوروں یا ان کی آراء یا ان کے فتاویٰ کو سختی سے نافذ کرتی ہو۔ دوسری طرف خود علماء کی اپنی کوئی حکومت بھی نہیں ہے جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ علماء اپنی باتوں کو منوانے کے لیے حکومت کا سہارا لیتے ہیں نیز علماء کا کوئی ایسا متوازی نظام بھی ہے نہیں جو مسلمانوں کو یا دیگر قوموں کو مجبور کرتا ہو کہ اسی نظام پر چلا جائے جیسے علماء چاہتے ہوں۔ ان سب کے باوجود علماء پر اور مدارس پر یہ الزام ہے کہ مسلمانوں کے زوال اور ان کی ناکامی کے پیچھے ان ہی کا رول ہے۔ اردو زبان کے قلم کار ظفر آغا کا بھی کچھ ایسا ہی خیال ہے۔ وقتاً فوقتاً ان کے شائع ہونے والے مضامین اس بات کی بڑی ہی مدلل انداز سے وضاحت کرتے ہیں۔

اس وقت پوری دنیا کے مسلمان (اس میں ہندوستان کے مسلمان بھی شامل ہیں) ایسی برائیوں میں غوطہ زن ہیں جو مختلف ملکوں کے عام قوانین کی رو سے بھی ایک جرم ہے اور اسلامی قوانین کے مطابق قابل تعزیر جرم ہیں۔ مثلاً قتل، شراب نوشی، بدکاری، لوٹ مار، قتل وغارت گری، دوسروں کے حقوق مارنا، والدین کی نافرمانی، بیویوں کو مارنا، ان کو ان کے حقوق سے محروم کرنا اور والدین کو بے سہارا اور بے یار ومددگار چھوڑنا، دوسروں کی زمین وجائداد پر قبضہ کرنا، سیکس ریکٹ چلانا، وغیرہ ایسے اعمال ہیں جس میں مسلمانوں کی کثیر تعداد ملوث ہے۔ بہت سے جرائم تو اس لئے مسلمانوں میں داخل ہوگئے کہ وہ معاشرے میں رائج ہیں اور موجودہ ترقی یافتہ اصطلاح میں انہیں ایسا کرنے سے روکنا ان کے انسانی حقوق سے محروم کرنا ہے۔ بہت سے جرائم غربت، اور بھوک کی وجہ سے ان کے اندر داخل ہوگئے ہیں تو کیا علماء اور مدارس مسلمانوں کے ان حالات کے ذمہ دار ہیں۔

حضرت جعفر طیارؓ نے آج سے چودہ سو برس قبل نجاشی کے دربار میں ایک خطبہ دیا تھا، وہ خطبہ مسلمانوں کے موجودہ حالات کی صحیح عکاسی کرتا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اس خطبے میں حضرت جعفر طیارؓ اپنے دور جاہلیت کی بات کرتے ہیں لیکن یہی خطبہ آج کے دور کے مسلمانوں کی صحیح عکاسی کرتا ہے۔ گرچہ بیشتر انگریزی داں اور بعض اردو داں قلم کاروں کی نظر میں مسلمانوں کے زوال کے اہم اسباب میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ چودہ سو سال پہلے کی تاریخ دیکھنے کے لئے تو تیار ہوجاتے ہیں لیکن موجودہ ترقی یافتہ دور سے کچھ سیکھنا نہیں چاہتے۔ بہرحال خطبے کا اقتباس کچھ یوں ہے:

”ہم جہالت کی زندگی گزارتے تھے تو یہ دین آیا جس میں حکم ہے کہ ہم سچ بولیں، اپنے وعدوں کو پورا کریں، اپنے قرابت داروں سے اچھا سلوک کریں، تمام ممنوعہ (برے) کام ترک کردیں، قتل وغارت سے اجتناب کریں، سرکشی چھوڑ دیں، جھوٹی گواہی نہ دیں، یتیموں کا حق غصب نہ کریں اور پاکدامن عورتوں پر تہمت نہ لگائیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، رمضان المبارک میں روزے رکھیں“۔

دور جاہلیت کی یہ وہ تصویر تھی جو آج مسلم معاشرے کی پہچان بنتی جارہی ہے، اگر صرف مسلم مذکورہ باتوں سے رک جائیں جو اس خطبے میں بیان کی گئی ہیں تو حکومت، پولیس اور عدالتوں پر جو مقدمات کے بوجھ ہیں وہ یک لخت ختم ہوجائیں گے۔ لیکن کیا ایسا ممکن ہے، شاید اصغر علی انجینئر، شیروانی وغیرہ کچھ روشنی اس پر ڈال سکیں۔

کیا مسلمانوں کی ان حالات کے ذمے دار صرف اور صرف علماء اور مدارس ہی ہیں، خود مسلمان ان حالات کے ذمے دار نہیں ہیں۔ یقیناً علماء کی کاوشیں بہت ہیں اور وہ ہر میدان میں خاموشی کے ساتھ اپنے فرائض کو خامیوں کے ساتھ پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن معاشرے کے دوسرے طبقات کہاں ہیں؟ ہندوستان پر انگریزوں نے قبضے کا ارادہ کیا تو علماء کا ہی طبقہ سب سے آگے تھا، جب ملک آزاد ہوا اور مسلمان کشمکش میں تھے تو علماء کا ہی طبقہ تھا جو انہیں صبر اور حالات کو جھیل لے جانے کی ترغیب دے رہا تھا، جب مسلمانوں کا سب کچھ لٹ چکا تھا اور ان کا تعلیمی اور دینی نظام تباہی کے دہانے پر کھڑا تھا اور قریب تھا کہ مسلمان اپنی دینی، تہذیبی وراثت سے محروم ہوجاتے، تو یہ علماء کا ہی طبقہ تھا جس نے پورے ہندوستان میں مدارس کا جال بچھا کر نہ صرف دین کی حفاظت کی بلکہ مسلمانوں کو زندگی کے مختلف شعبوں میں آگے بڑھنے کی قوت بخشی، جب گجرات جل رہا تھا اور مسلمانوں پر زمینیں تنگ ہوچکی تھیں، یہاں تک کہ ریلیف کیمپس بند کردیے گئے تھے تو علماء کا ہی طبقہ تھا جس نے انہیں سہارا دیا۔ دہشت گردی کی آڑ میں جب مسلمانوں کی گرفتاریاں کی جارہی تھیں اور بعض عصری تعلیمی اداروں کے مسلم نوجوان جب پولیس کے ذریعے اٹھائے جارہے تھے تو یہ علماء کا ہی طبقہ تھا جس نے اس ظلم کے خلاف آواز بلند کی اور یہ سلسلہ اب تک چل رہا ہے۔ ایسا نہیں کہ دیگر مسلمانوں اور دیگر انصاف پسند غیر مسلموں نے کچھ نہیں کیا، انھوں نے بہت کچھ کیا، بہت قربانیاں دیں، انہی کی بدولت گجرات فسادات کے بہت سے کیسز دوبارہ کھولے گئے اور یہ کارروائی چل رہی ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود علماء کی قربانیاں اور ان کی کاوشیں اتنی ہیں جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ یقیناً آج حالات بدل رہے ہیں، زمانہ اتنی تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے کہ انسان اس کے سامنے تھکا جا رہا ہے۔ کوئی خودکشی کر رہا ہے تو کوئی قتل کر رہا ہے۔ کوئی دھوکہ دھڑی کو ذریعہ معاش بنا رہا ہے اور بدلتے ہوئے حالات کا مطالبہ ہے کہ ہم بھی ان کے قدم سے قدم ملا کر چلیں، لیکن اس کا کیا یہ مطلب ہے کہ ہم اپنے ماں باپ کو بھول جائیں، ہم یہ بھول جائیں کہ والدین کے کیا حقوق ہیں؟ کیا ہم یہ بھول جائیں کہ بندوں کے بندوں پر کیا حقوق ہیں؟ کیا ہم وہ دینی تعلیم دینا بند کردیں جس سے ہمیں یہ احساس ہوتا ہے کہ کون کون سی چیزیں حلال اور حرام ہیں اور یہ کہ مردوں کو کیسے دفنایا جاتا ہے، مرنے کے بعد اس شخص کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ آخرت کے لئے کیا تیاریاں کرنی ہیں؟ موجودہ ترقی یافتہ دور کی بہترین مثال اداکارہ جیڈی گوڈی کی دردناک موت ہے۔ جی ہاں جب اسے پتہ چلا کہ اسے کینسر ہے اور وہ زیادہ دن جی نہیں سکتی تو اسے ڈاکٹروں نے آرام کا مشورہ دیا، کچھ دنوں بعد جب طبیعت مزید بگڑی تو ڈاکٹروں نے اسے سونے کا مشورہ دیا، جوڈی کا کہنا تھا کہ میں ڈر کی وجہ سے نہیں سوتی تھی کہ ایسا نہ ہو کہ میں سوؤں اور پھر اٹھ نہ سکوں، نتیجہ یہ ہوا کہ طبیعت مزید بگڑتی گئی اور آخر میں روح جسم سے نکل گئی، ایسی دردناک موت کا کون ذمہ دار ہے؟

علماء پر اور مدارس پر یہ بڑا جھوٹا الزام ہے کہ وہ مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روکتے ہیں، کتنی حیرت کی بات ہے کہ اسی ملک ہندوستان میں ایک مسلمان فلمی دنیا کا بادشاہ کہلا سکتا ہے۔ ایک مسلمان انڈرورلڈ کا ڈان بن سکتا ہے۔ ایک مسلم لڑکی بہت ہی چھوٹے کپڑے پہن کر ٹینس کھیل سکتی ہے، ایک موذن کا بیٹا کرکٹ کھیل سکتا ہے۔ ایک مسلمان الیکشن جیت سکتا ہے اور یہ سب کرنے میں کسی بھی مسلمان کو علمائے کرام سے مشورے یا مدارس سے سند لینے کی ضرورت نہیں پڑی تو پھر ایک مسلمان کو امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام غزالیؒ اور امام ابوحنیفہؒ یا امام شافعیؒ یا پھر مجدد ثالث بننے سے کون روک سکتا ہے۔ کیا علماء نے سپریم کورٹ کا اسٹے آرڈر لے رکھا ہے یا ایسا بننے پر پابندی لگا رکھی ہے۔ ایک مسلم صحافی سابق امریکی صدر جارج ڈبلیو بش پر جوتے پھینک سکتا ہے، کم عمر روبینہ اور ظہیر کو فلم میں کام کرنے اور آسکر ایوارڈ میں شریک ہونے کے لئے کسی علماء کے مشورے کی ضرورت نہیں پڑی تو پھر لوگ اس بات کا کیوں انتظار کر رہے ہیں کہ کوئی انہیں ابن الوقت کہے، کوئی انہیں مجدد ثالث کہے۔

دراصل موجودہ دور میں شکست اور مختلف قسم کی آنے والی پریشانیوں نے مسلمانوں کو اتنا جھنجھوڑ کر رکھ دیا کہ ان کے سامنے تنقید کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں ہے۔ ان کے اندر وہ قوت ہی نہیں ہے جس سے منفی پہلوؤں کا سختی سے مقابلہ کرسکیں، نتیجتاً وہ اس طرح کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں اور اپنے ساتھ ساتھ آنے والی نسلوں کو بھی کنفیوژن میں مبتلا کردیتے ہیں۔ اس طرح کے منفی خیالات مسلم نوجوانوں پر غلط اثر انداز ہوتے ہیں۔ آنے والی نسلیں بھی اسی غلط فہمی کا شکار رہتی ہیں اور یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا جاتا ہے اور مسلم نوجوان ترقی کرنے کے بجائے تنزل کی جانب گامزن ہوجاتا ہے۔ مدارس کے بیشتر فارغین کا بھی کچھ ایسا ہی خیال ہے کہ انھوں نے صرف اپنا قیمتی وقت ضائع کیا ہے۔ ضرورت ہے کہ مسلمان اپنے تمام شعائر کے ساتھ زندہ رہیں، حالات کا سختی سے مقابلہ کریں اور منفی پہلوؤں کے بجائے مثبت پہلوؤں پر زور دیں، علمائے کرام اور مدارس پر تنقید برائے تنقیص سے احتراز کریں، البتہ اگر اس میں تعمیری پہلو ہے تو اس کا استقبال بھی کیا جانا چاہئے۔ حالات بہت سخت ہیں اور آنے والے دنوں میں یہ فیصلہ ہوگا کہ مسلمان کس کی طرف ہیں۔ ایسی صورتحال میں مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ تمام طبقات اور تمام مسالک کے ماننے والے اور تمام مختلف النوع حضرات ایک ایسے مقصد کے لئے کام کریں جس سے مسلمان اپنے کھوئے ہوئے وقار کو پاسکیں اور دوسری قوموں کے لئے بھی مشعل راہ بنیں۔

●●

ایک جائزہ

پارلیمنٹ میں مسلم نمائندگی اتنی محدود کیوں؟

اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ عصر حاضر میں کسی بھی قوم کا سیاسی قوت حاصل کیے بغیر ترقی کی جانب گامزن ہونا آسان نہیں، مگر مسلمانوں نے اس کے باوجود سیاسی قوت کے حصول کی طرف توجہ ہی نہیں دی۔ اس راہ میں ان کی مسلسل بے توجہی یا غیر دانشمندی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کی ۵۴۳ سیٹوں میں ان کے پاس پچاس سیٹیں بھی نہیں ہیں۔ جبکہ آبادی کے تناسب سے پارلیمنٹ میں ان کے ممبران کی تعداد موجودہ تعداد کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہونی چاہئے تھی۔ بعض اندازوں کے مطابق ہندوستان میں مسلم آبادی تیس فیصد ہے، جبکہ بعض کے مطابق پچیس فیصد سے بھی زائد ہے لیکن اگر بیس فیصد آبادی کو بھی تسلیم کرلیا جائے تب بھی آبادی کے تناسب کے اعتبار سے ان کی پارلیمنٹ میں کل سیٹیں ۱۱۰ کے آس پاس ہونی چاہئے تھیں۔ اس کو بھی چھوڑیئے۔ بقول سابق وزیراعظم اٹل بہاری باجپئی مسلمانوں کی آبادی کو پندرہ فیصد مان لیا جائے تب بھی ان کے پاس ۸۰ سے زائد ممبران پارلیمنٹ ہونے چاہئیں۔ سرکاری اندازے مسلمانوں کی کل آبادی صرف بارہ تیرہ فیصد ہی دکھاتے ہیں۔ اگرچہ مسلمان اس سے اتفاق نہیں کرتے اور وہ اپنی آبادی کو بیس فیصد سے بھی زیادہ خیال کرتے ہیں مگر چلئے ہم سرکاری اعداد وشمار کو ہی صحیح مان لیتے ہیں، تب بھی پارلیمنٹ میں مسلم ممبران کی تعداد ۷۰ کے آس پاس ہونی چاہئے۔ یہاں یہ سوال زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ آخر اس صورتحال کا ذمہ دار کون ہے؟ کیا اس کے ذمہ دار خود مسلم ووٹرس نہیں ہیں۔ اگر مسلم ووٹرس اپنے ووٹوں کا صحیح استعمال کرتے اور ان کے پاس صحیح سیاسی شعور ومخلص سیاسی قیادت ہوتی تو وہ اپنے ۷۰ سے سو کے درمیان ممبران کو پارلیمنٹ میں بھیج سکتے تھے۔ اگرچہ سو ممبران پارلیمنٹ کی بنیاد پر اپنی سرکار کی تشکیل کی بات نہیں کی جاسکتی تاہم کسی دوسری پارٹی کی سرکار بنانے یا نہ بنانے میں یہ تعداد ضرور اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔ خاص طور سے ایسے وقت میں جبکہ کوئی بھی پارٹی حکومت سازی کے لائق سیٹیں حاصل کرنے میں تنہا کامیاب نہ ہوتی ہو۔

ملک میں موجودہ سرکار یو پی اے کی ہے جو متعدد پارٹیوں کا اتحاد ہے۔ اس سے پہلے این ڈی اے سرکار بھی اسی طرح تشکیل پائی تھی۔ موجودہ یو پی اے سرکار جن پارٹیوں کی بدولت قائم ہے، ان میں انڈین نیشنل کانگریس پارٹی (۱۵۳ ممبران پارلیمنٹ) کے ساتھ، راشٹریہ جنتا دل (۲۴) کے ساتھ، نیشنلسٹ کانگریس پارٹی (۱۱) کے ساتھ، پٹالی مکّل (۶) کے ساتھ، جھارکھنڈ مکتی مورچہ پارٹی (۵) کے ساتھ، لوک جن شکتی پارٹی (۴) کے ساتھ، سماجوادی پارٹی (۳۳) کے ساتھ، نیشنل کانفرنس (۲) کے ساتھ اور کئی پارٹیاں ایک ایک پارٹی کے ساتھ اس اتحاد میں شامل ہیں۔ اس درمیان میں کئی پارٹیوں نے حمایت بھی واپس لی جن میں بہوجن سماج پارٹی (۱۷) جس نے ۸/جولائی ۲۰۰۸ء کو حمایت واپس لی، سرفہرست ہے۔ علاوہ ازیں اس اثناء میں تلنگانہ راشٹریہ سمیتی سمیت کئی دیگر پارٹیاں بھی یو پی اے کو الوداع کہہ چکی ہیں۔ چونکہ موجودہ مرکزی سرکار کو متعدد پارٹیوں نے اندر سے حمایت دی تھی، اس لئے سرکار میں ان کی بھی حصہ داری رکھی گئی۔ مثلاً وزارت عظمیٰ، وزارت خارجہ، وزارت داخلہ، وزارت اقلیتی بہبود، وزارت وسائل فروغ انسانی وسائل جیسے اہم عہدے کانگریس کے حصے میں آئے جبکہ ریلوے راشٹریہ جنتا دل، وزارت کیمیکل، فرٹیلائزر اینڈ اسٹیل لوک جن شکتی پارٹی اور زراعت وغیرہ سے متعلق وزارت نیشنل کانگریس پارٹی کے حصے میں آئی۔ یہی صورتحال اس وقت بھی رونما ہوئی جب ۱۹۹۸ء میں بھارتیہ جنتا پارٹی کے ذریعے این ڈی اے کو تشکیل دیا گیا تھا۔ کیونکہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے پاس صرف ۱۳۰ ایم پی تھے، جن کی بنیاد پر وہ حکومت نہیں بنا سکتی تھی، اس لئے بدرجہ مجبوری اسے حکومت سازی میں مزید بارہ پارٹیوں کو شامل کرنا پڑا جن میں شیوسینا (۱۲ ممبران پارلیمنٹ) بیجو جنتا دل (۱۱)، جنتا دل یونائیٹڈ بہار و کرناٹک (۸)، اکالی دل زیر قیادت پرکاش سنگھ بادل (۸) انڈین نیشنل لوک دل اور آسام گن پریشد شامل تھیں۔ ان کے علاوہ جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس، دراوڑ منیترا، اے آئی ڈی ایم کے، پی ایم کے، راشٹریہ لوک دل، انڈین فیڈرل ڈیموکریٹک پارٹی، ترنمول کانگریس اور تیلگو دیشم پارٹی وغیرہ این ڈی اے میں شامل رہیں، لیکن مختلف مواقع پر ان پارٹیوں نے این ڈی اے سے تعلق منقطع کرلیا۔ اس سے پہلے دیوگوڑا سرکار ہو یا چندر شیکھر سرکار یا وی پی سنگھ سرکار سب کو متعدد پارٹیوں کی حمایت حاصل رہی۔ اس صورتحال سے معلوم ہوتا ہے کہ آگے بننے والی سرکاریں بھی متعدد پارٹیوں کی حمایت کی محتاج ہوں گی۔ کیونکہ اس بات سے کسی بھی صورت انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ملک میں درجنوں ایسی پارٹیاں موجود ہیں جو کم از کم اپنے علاقوں میں خاصا اثر ورسوخ رکھتی ہیں، جس کے باعث وہ متعدد سیٹیں حاصل کرنے میں کسی نہ کسی طرح کامیاب ہوجاتی ہیں۔ نتیجہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بڑی پارٹیاں اتنی سیٹیں حاصل نہیں کرپاتیں کہ کسی کی مدد کے بغیر سرکار تشکیل دے سکیں۔ آگے بھی نہ جانے کب تک یہ صورتحال برقرار رہے گی۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو ان کا رول اب اور بھی اہم ہوگیا ہے۔

●●

ناکامی اور کامیابی کا انحصار

محمد آصف ریاض

انسان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو کامیاب دیکھنا چاہتا ہے، لیکن اسے ناکامی ہاتھ لگتی ہے۔ وہ اونچا اٹھنا چاہتا ہے لیکن وہ نیچے گرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ انسان کی ناکامی ان اسباب سے ہوئی ہے جنہیں وہ اپنی کامیابی کے لئے جمع کرتا ہے۔ انسان اسباب تو ناکامی کے جمع کرتا ہے لیکن خواہش کامیابی کی رکھتا ہے۔ بنارس کے سفر پر ایک نوجوان سے ملاقات ہوئی۔ وہ ایک کامیاب تاجر بننا چاہتے تھے۔ انھوں نے مشورہ طلب کیا، میں نے انہیں بتایا کہ جو وسائل ان کے پاس موجود ہیں ان کا استعمال کرکے وہ اپنی تجارت شروع کریں اور نیچے سے اوپر کی طرف سفر کریں، نہ کہ اوپر سے نیچے کی طرف، جیسا کہ مسلمان کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنا ”سفر منزل سے کہیں کے لئے نہیں“ شروع کرتے ہیں۔ اس نوجوان کو میرا مشورہ پسند نہیں آیا۔ انھوں نے بینک سے لون لے کر اپنی تجارت شروع کی، یہاں تک کہ وہ اپنی پونجی گنوا بیٹھے وہ ایک کامیاب تاجر بننا چاہتے تھے لیکن ان کا کیس مکمل ناکامی کا کیس بن گیا۔ اس لئے کہ انھوں نے کامیاب تاجر بننے کے لئے جو اسباب جمع کئے تھے، وہ ناکامی کے تھے، نہ کہ کامیابی کے۔ سود پر قرض لے کر کوئی کام کرنا گویا اندھیرے میں چھلانگ لگانا تھا اور اس نوجوان نے ایسا ہی کیا۔ قدرت کے قانون کے مطابق انسان جس چیز کے لئے اسباب جمع کرتا ہے اسے وہی چیز ملتی ہے۔ انسان کا حال یہ ہے کہ وہ اسباب تو ناکامی کے جمع کرتا ہے لیکن خواہش کامیابی کی رکھتا ہے۔ آدمی H_2O کو جمع کرکے پہاڑ کی خواہش رکھتا ہے، حالانکہ وہ پانی کے اسباب ہیں۔ پانی کے اسباب جمع کرکے آپ پانی ہی حاصل کرسکتے ہیں نہ کہ پہاڑ۔ یہی قدرت کا اصول ہے، یہی فطرت کا قانون ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

۲۰۰۸ء میں جارجیا نے امریکہ اور یورپ کے اکسانے پر جنوبی اوسیتیا پر حملہ کردیا۔ اس حملے سے روس بھڑک اٹھا۔ جنوبی اوسیتیا پر حملہ گویا خود روس پر حملہ تھا۔ روس نے جوابی کارروائی کرتے ہوئے جارجیا کو سبق سکھایا کہ اسے نہ صرف جنوبی اوسیتیا سے باہر نکلنا پڑا، بلکہ روس نے جارجیا کے ”پوٹی اور غوری“ جیسے کئی دوسرے شہروں پر بھی قبضہ جمالیا۔ جارجیا جنوبی اوسیتیا کو سبق سکھا کر خطے میں اپنی شاخ مضبوط کرنا چاہتا تھا لیکن نتیجہ الٹ گیا۔ یہ جنگ جارجیا کی ناکامی اور محرومی پر ختم ہوئی۔ جارجیا نے اپنی کامیابی اور سرخروئی کے لئے جو اسباب جمع کئے تھے وہ اسباب رسوائی اور ناکامی کے تھے، نہ کہ کامیابی کے۔ جارجیا نے اوسیتیا پر حملہ کرنے سے قبل صرف اوسیتیا کی طاقت کا تجزیہ کیا، اس نے اوسیتیا کی پیٹھ پر کھڑی طاقت ”روس“ کو نظر انداز کردیا، جس کی اسے بھاری قیمت چکانی پڑی۔ جارجیا کامیابی حاصل کرنے چلا تھا، لیکن وہ ناکامی اور رسوائی کی علامت بن گیا۔ اب ایک مثال جاپان کی لیجئے۔ امریکہ نے ۱۹۴۵ء میں جاپان پر ایٹمی حملہ کردیا۔ جاپان اس حملے سے بری طرح تباہ ہوگیا۔ اپنی تباہی کے بعد جاپان نے اپنے آپ کو فوجی محاذ سے ہٹالیا، اور معاشی محاذ پر کام کرنا شروع کردیا۔ جاپان

باقی صفحہ ۸ پر

بقیہ: امریکی سماج میں مذہبی انتشار کا عمل جاری ہے

واقعات گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں، اسی لئے تو کیتھولک ازم کو اپنے اکثریتی علاقوں میں بھی مشکلات کا سامنا ہے۔

امریکہ کے شہری مضافات اور نوآباد علاقوں میں چرچ، سیاست زدہ انجیلی فرقے اور لادین گروہوں کی کشمکش نے ایک دلچسپ صورتحال اختیار کرلی ہے۔ چرچ کے روایتی کردار کو تبدیل کرکے، اسے کمیونٹی سنٹر بنایا جارہا ہے۔ عبادت کے غیر روایتی طریقے متعارف کرانے کے لئے پاپ میوزک کا استعمال کیا جارہا ہے، جس کی وجہ سے یہ چرچ موسیقی کے پروگراموں کے لئے مخصوص میدانوں کا منظر پیش کرتے ہیں۔ ایسے چرچ عبادت گاہ کے بجائے، موسیقی سے شغف رکھنے والوں کے فین کلب بن گئے ہیں۔ جہاں بڑی بڑی دکانیں، ڈے کیئر سینٹرز اور سماجی خدمات انجام دینے والے گروہ موجود ہیں، البتہ بڑی تعداد میں لوگ عبادت کی تقریبات میں شرکت بھی کرتے ہیں۔ بیس برس میں ایسے مقامات پر اپنی اور خدا کی تلاش کرنے والے امریکیوں کی تعداد دو لاکھ سے بڑھ کر آٹھ ملین تو ہوگئی ہے، لیکن نہ تو یہ کوئی بڑی کامیابی ہے اور نہ ہی یہ مذہب کے حوالے سے سنجیدہ اور منطقی طرز عمل، بلکہ پروٹسٹنٹز کا حربہ ہے، تاکہ لوگوں کو کسی بھی طریقے سے اپنے حلقہ فکر سے باہر نہ جانے دیا جائے۔ سابق صدر جارج ڈبلیو بش نے مذہبی قدامت پسندی کو خاطر خواہ فروغ دیا۔ ان کی اس حکمت عملی کے باعث ہر تین میں سے ایک امریکی انجیلی پروٹسٹنٹ بن گیا اور ہم جنس پرستی، اسقاط حمل اور ٹیسٹ ٹیوب بے بی جیسے معاملات کی مخالفت کرنے لگا۔ ان محرکات کے سیاسی ہونے کے باعث، اس کا رد عمل مذہب سے بیزاری کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ یہ رد عمل شدید بھی ہے اور تیز بھی۔

ایک حالیہ سروے کے مطابق لادینیوں کی روز بروز بڑھتی تعداد کے باوجود امریکہ، اب بھی مغربی یورپ کے مقابلے میں زیادہ مذہبی ہے، لیکن یہ صورتحال زیادہ دیر تک قائم نہیں رہے گی، گو کہ اسلام زیادہ پر اثر اور کامیاب ثابت ہو رہا ہے، لیکن ابھی اس کا حلقہ مختصر ہے۔ امریکہ میں عیسائیت داخلی طور پر فکری مسائل سے دوچار ہے۔ یہاں اب عیسائیت کے لئے علمی بنیادوں پر سنجیدگی سے کام کرنے والی نسل ختم ہوچکی۔ اب یہاں کوئی تھامس مارٹن، رین ہولڈ نیبر، واکر پرسی یا فلیری اوکونر جیسے مفکر نہیں رہے۔ اس فکری بحران کی وجہ سے عام عیسائی ہم جنس پرستی اور اس جیسے سماجی مسائل پر تذبذب کا شکار ہیں۔ اسی طرح کے خیالات کا اظہار ایک پروٹسٹنٹ نے کرسچن سائنس مانیٹر کو اپنے ایک مراسلے میں بھی کیا۔ وہ لکھتا ہے: ”نئے پیدا شدہ سماجی مسائل کے حوالے سے خاص موقف رکھنے والے عیسائی بھی بائبل کے مندرجات کو دلائل کی بنیاد پر بیان کرنے کی اہلیت تک نہیں رکھتے“۔ اسی طرح کیتھولک فرقے کے مذہبی پیشوا اور پادریوں کی اگلی نسل زیادہ روایتی اور محدود ذہنیت رکھتی ہے۔ ممکن ہے کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں کہیں کہیں عیسائیت مضبوط ہو، لیکن بہرحال مجموعی طور پر عیسائیت مسائل کا شکار ضرور ہے۔ اہم بات یہی ہے کہ امریکہ کے مذہبی رجحانات میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے ایک بار پھر تجزیے کی ضرورت ہے، مثلاً کیا مذہب عصر حاضر کے تقاضے پورے کرسکتا ہے؟ کیا بائبل کو صرف متن کی حد تک پڑھنے کا کوئی عقلی جواز ہے؟ اور مذہب، خصوصاً عیسائیت کے مبلغین کو ان سوالات کے جوابات دینے ہوں گے۔ ہم جنس پرست اور سیکولر سماج میں جنسی مساوات جیسے معاملات تو چیلنج ہیں ہی، لیکن شاید تمام تر وسائل کے باوجود عیسائیت سے تعلق رکھنے والے مفکرین بھی اپنی علمی ذمہ داریاں پوری نہیں کر رہے اور اسی لئے عیسائیت عام ذہن کو موجودہ حالات میں مطمئن کرنے میں ناکام ہے۔ اگر یہ لاپروائی اور غیر ذمہ دارانہ رویہ یوں ہی جاری رہا تو اس ناکامی کو مذہب سے انکاری قوتیں، اپنی طاقت اور کامیابی میں تبدیل کرلیں گی اور یقین اور بے یقینی کی اس جنگ میں کون فتح مند ہوتا، اس کا انحصار دونوں کی حکمت عملی پر ہے۔

●●

۱۶ر اپریل پہلے مرحلے کے انتخابات کی جھلکیاں

ریاست	:	۱۷
پارلیمانی حلقہ	:	۱۲۴
رائے دہندگان	:	۱۵،۸ کروڑ
امیدوار	:	۱۷۱۵
سیاسی جماعتیں	:	۱۹۲
پولنگ اسٹیشن	:	۱۸۰،۸ لاکھ

پہلے مرحلے کے انتخابات میں اہم چہرے

(۱) اُتر پردیش: کل سیٹ: ۱۶

اہم چہرے	پارلیمانی حلقہ	پارٹی
ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی	وارانی	بی جے پی
مختار انصاری	وارانسی	بی ایس پی
اکبر احمد ڈمپی	اعظم گڑھ	کانگریس
یوگی آدتیہ ناتھ	گورکھپور	بی جے پی
(۲) بہار: کل سیٹ: ۱۳		
لالو پرساد یادو	سارن	آر جے ڈی
میرا کمار	سہرام	کانگریس
(۳) آسام: کل سیٹ: ۳		
سنتوش موہن	سلچر	کانگریس
بدرالدین اجمل	سلچر	اے یو ڈی ایف
(۴) جھارکھنڈ: کل سیٹ: ۶		
یشونت سنہا	ہزاری باغ	بی جے پی
بابولال	کوڈرما	جے وی ایم
(۵) اڑیسہ: کل سیٹ: ۱۰		
گری دھر گمانگ	کوراپٹ	کانگریس
نوین پٹنائک	ہنجلی (اسمبلی حلقہ)	بی جے ڈی
(۶) مہاراشٹر: کل سیٹ: ۱۳		
پرفل پٹیل	بھنڈارا گوندیا	این سی پی
بلاس تیموار	ناگپور	کانگریس
(۷) کیرل: کل سیٹ: ۲۰		
ششی تھرور	تروانتا پورم	کانگریس
ای احمد	ملاپورم	ایم ایل
(۸) آندھرا پردیش: کل سیٹ: ۲۲		
ایس راج پال ریڈی	چیویلا	کانگریس
اینوکا چودھری	کھمم	کانگریس
(۹) چھتیس گڑھ: کل سیٹ: ۱۱		
دلیپ سنگھ جودیو	بلاس پور	بی جے پی
رینو جوگی (اجیت جوگی کی بیوی)	بلاس پور	کانگریس

ایک تجزیہ

امریکہ کی تبدیل شدہ پالیسی

اجر کوھین

صدر اوباما نے ایران کے رہنماؤں کو اپنے واضح پیغام میں ان چار اُمور کی نشاندہی کردی ہے جو ایران کے ساتھ کسی مصالحت کے لئے ناگزیر ہیں۔ انہوں نے حکومت کی تبدیلی کو امریکی مقصد قرار دینا ترک کردیا ہے۔ انہوں نے نام نہاد ملٹری آپشن بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ اوباما نے ''گاجر اور چھری'' کی پالیسی کو دفن کردیا ہے جسے ایرانی حقارت کی نظر سے دیکھتے اور صرف گدھوں کے لئے موزوں طریقہ قرار دیتے تھے، اور انہوں نے ایٹمی پروگرام کو پوری طرح ہمیں درپیش مسائل کی صف میں شامل کرلیا۔ ان اقدامات کے ذریعہ اوباما نے اس امر کو تقریباً یقینی بنادیا ہے کہ ان کی صدرارت کے تزویراتی مسائل میں ایران کے مسئلے پر نمایاں ہوتے اختلافات کے علاوہ اسرائیل کے ساتھ امریکہ کے تعلقات کی تکلیف دہ مگر نئی تشریح ضروری ہوچکی ہے۔ صدر اوباما نے ایرانی سال نو یا ''نوروز'' کے موقع پر ایران کے لئے جن اچھوتے خیالات اور جذبات کا اظہار کیا وہ قابل غور ہے۔ انہوں نے دو مرتبہ ''اسلامی جمہوریہ ایران'' کا حوالہ دیا جس سے بڑے طویل عرصے سے مکمل اجتناب برتا جارہا تھا، اور اسے کچھ اور نہیں ''جمہوریہ'' قرار دیتے ہوئے کہا کہ اسے اقوام عالم میں اپنا جائز مقام حاصل کرنا چاہئے۔ یوں امریکہ نے بڑے واضح طور پر ایران کے ۳۰ سال پرانے مذہبی انقلاب کو تسلیم کرلیا۔ انہوں نے کہا کہ تعمیری تعلقات کے قیام میں دھمکیوں کے ذریعہ پیش رفت نہیں کی جاسکتی۔ اوباما نے خود اپنی مہم کے اس موقف سے پسپائی اختیار کرلی کہ فوجی آپشن ہمیشہ موجود رہنا چاہئے۔ اس کے بجائے انہوں نے ''باہمی احترام'' کی پیشکش کرڈالی۔ میں ماہ جنوری اور فروری میں ایران میں تھا اور اس دورے نے مجھے قائل کردیا کہ محاذ آرائی پر مبنی امریکہ کی جابرانہ سوچ تباہ کن ثابت ہوئی ہے۔ ایرانی حکومت اور نازیوں کی کارروائیوں کے درمیان موازنہ کرتے اور ایرانی حکومت کی طرف سے جواباً اشتعال انگیز بیانات نے حقیقت پسندی کے وصف کو فریقین کی نظروں سے اوجھل کردیا ہے اور ایک نوجوان، استحکام کی خواہاں آبادی کی مدد کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تعاون اور اشتراک کے ذریعے اصلاح کی سمت پیش رفت میں اس کا ساتھ دیا جائے۔

اوباما نے اب وہ تمام اقدامات کئے ہیں جن کا اُس وقت میں نے مطالبہ کیا تھا۔ پالیسی میں ہونے والی یہ تبدیلیاں حالیہ برسوں میں ناکام ایرانی پالیسی کے حوالے سے انٹرایجنسی معاملات پر نظر ثانی کا نتیجہ ہیں۔ یہ تبدیلی حوصلے کی متقاضی تھی۔ پالیسی پر نظر ثانی سے تعلق رکھنے والے ایک ذریعے نے مجھے بتایا کہ اسرائیل اور سنی عرب ریاستوں کی طرف سے اس کو برابر خبردار کیا جاتا رہا ایران کو ساتھ لے کر چلنے سے ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ان حلقوں کا کہنا یہی تھا کہ ایران کے ساتھ تعلقات میں کسی بہتری کی صورت میں بیت المقدس سے ریاض تک امریکہ کے موجودہ قریبی تعلقات پر اثر پڑے گا۔ اوباما کا یہ اعلان نہ صرف اس سوچ کی ترجمانی کرنے والوں بلکہ ان حکام پر بھی فتح کی نمائندگی کرتا ہے جو ایران کے خلاف پابندیاں سخت کرنے یا امریکہ کی طرف سے کوئی پیش رفت اُس وقت تک مؤخر کرنے کے حامی ہیں جب تک جون میں ایران کے صدارتی انتخابات مکمل نہیں ہوجاتے۔ سخت اور کٹھن مرحلہ تو ابھی شروع ہی ہوا ہے۔

ایران کے رہبر آیت اللہ علی خامنہ ای نے اوباما کے اس پیغام کے جواب میں مشہد میں تقریر کے دوران ماضی کی امریکی کارروائیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ انقلاب سے پہلے ایران امریکیوں کی چراگاہ بنا ہوا تھا۔ انہوں نے الفاظ کے بجائے ٹھوس اقدامات کا مطالبہ کیا۔ تاہم جب مجمع نے ''مرگ بر امریکہ'' کے نعرے لگانا شروع کئے تو انہوں نے یہ کہہ کر انہیں خاموش کرادیا کہ ''جب ہمارے اہم معاملات کی بات ہوتو ہم جذباتی نہیں ہوتے، ہم سوچ سمجھ کر فیصلے کرتے ہیں۔'' اور یہ بات بالکل درست ہے۔ ملا کچھ بھی ہوں مگر پاگل ہرگز نہیں ہیں۔ سمجھداری کا تقاضا یہی ہے کہ ایران اوباما کی باتوں پر سنجیدگی سے غور کرے۔ ملک کے تیل کے ذخائر کم ہوچکے ہیں اور اس کی معیشت ابتری سے دوچار ہے۔ تیل اور گیس کی تنصیبات فرسودہ ہورہی ہیں۔ ایک پائیدار عراق اور طالبان کے تسلط سے آزاد افغانستان میں اس کے گہرے مفادات ہیں۔ اس کے ایٹمی پروگرام کے لئے بڑی مہارت اور توجہ درکار ہے۔ خامنہ ای کا کردار قدامت پسندی پر مبنی ہے۔ جس کا مقصد انقلاب کا تحفظ کرنا ہے اور وہ ایک حد تک ہی شدت پسندی کا مظاہرہ کرسکتے ہیں۔ ایران کی طرف سے افغانستان میں کانفرنس میں شرکت کی امریکی دعوت قبول کرنے پر آمادگی خامنہ ای کے الفاظ سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، تاہم ۳۰ سال کا تعطل ختم کرنے میں وقت اور ثابت قدمی کی ضرورت پڑے گی۔

ایران کے بارے میں امریکی اور اسرائیلی سوچ میں اختلاف تو اسرائیلی صدر شمعون پیریز کے اس پیغام سے ہی واضح ہے جو انہوں نے نوروز کے موقع پر ایرانی عوام کو (ان کے لیڈروں کو نہیں) دیا تھا اور جس میں ان سے کہا گیا تھا کہ وہ ''مٹھی بھر مذہبی جنونیوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں اور ان کا تختہ الٹ دیں۔''

ایک سینئر اسرائیلی افسر نے مجھے بتایا کہ ایران کے پاس کمتر درجہ کا افزودہ ایک ہزار کلو یورینیم موجود ہے اور ۶ ماہ کے اندر مزید ۵۰۰ کلوگرام یورینیم اسے مل جائے گا جو ایک ایٹم بم بنانے کے لئے کافی ہے۔ ایک سوال پر اس اسرائیلی افسر نے کہا کہ جب ان کے پاس ۱۵۰۰ کلوگرام افزودہ یورینیم کی موجودگی ثابت ہوجائے گی تو اسرائیل کو مداخلت کرنی پڑے گی اور سال رواں کے ۹ ماہ کے اندر اس کے خلاف فوجی کارروائی عمل میں آسکتی ہے۔ تاہم ایک بات بڑی واضح ہے، اور اوباما کی نئی مشرقی وسطی ڈپلومیسی اور سب کو ساتھ لے کر چلنے کی پالیسی میں کامیابی کے لئے اسرائیل کی جھگڑالو سرشت کو قابو میں رکھنے کی ضرورت پڑے گی اور شاید امریکہ، اسرائیل تعلقات میں سرد مہری بھی پیدا ہوگی۔ امریکہ کی یہ پالیسی کہ اسرائیل کبھی غلطی نہیں کرسکتا۔ تباہ کن ثابت ہوئی ہے۔ جو اسرائیل کی طویل المیعاد سلامتی کے لئے بھی کچھ کم نقصان دہ نہیں۔

●●

بنام جملہ ارکان جماعت حلقہ بہار

مرکز جماعت اسلامی ہند- قیم جماعت اسلامی ہند جناب نصرت علی کی جانب سے حلقہ بہار کے ارکان کے نام جاری کردہ سرکلر میں یہ کہا گیا ہے کہ شہناز بیگم صاحبہ رکن مجلس شوریٰ حلقہ بہار بہ سلسلہ ملازمت گزشتہ کچھ عرصہ سے بیرون ملک رہائش پذیر ہیں، جس کی وجہ سے مجلس شوریٰ کی ایک نشست خالی ہوگئی ہے۔ اُسے پُر کرنے کے لئے ارکان حلقہ کی رائیں مطلوب ہیں۔ براہ کرم دستور جماعت کی دفعہ (۴۹) کو ملحوظ رکھ کر آپ اپنی رائیں اس طرح ارسال فرمائیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ ۱۵ر مئی ۲۰۰۹ء تک لازماً مرکز جماعت کو موصول ہوجائیں۔ واضح ہو کہ اس کے بعد موصول ہونے والی رائیں شمار نہیں کی جاسکیں گی۔ ذیل میں حلقہ کے موجودہ ارکان مجلس شوریٰ کی فہرست درج ہے۔ ان میں سے کسی کے حق میں رائے نہ دیں۔

(۱)	جناب احمد علی اختر	۲
(۲)	جناب شبیر عالم خاں	۵۰
(۳)	جناب نیر الزماں	۲۳۳
(۴)	جناب محمد فاروق ندوی	۱۰۶
(۵)	جناب حسن معاویہ ندوی	۱۵۱
(۶)	جناب مقصود عالم صدیقی	۲۵۶
(۷)	جناب بدیع الزماں	۵۴
(۸)	جناب نظیر احمد	۱۱۰

مسجد اشاعت اسلام میں خطبۂ جمعہ

دین کی مخلصانہ پیروی ایمان کا تقاضا ہے

دعوت نگر، نئی دہلی- ''انسان کا اپنے پیدا کرنے والے سے تعلق اور لگاؤ ایک فطری امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ سے محبت کو ایمان کا لازمی جز قرار دیا گیا ہے اور اللہ کے رسول سے محبت بھی دراصل ایمان باللہ ہی کا تقاضا ہے۔ جہاں صحیح معنوں میں ایمان ہوگا وہاں اللہ اور اس کے رسول سے محبت بھی ہوگی۔ اللہ سے محبت کا تقاضا ہے کہ ہر وقت یاد رکھا جائے۔ کھڑے، بیٹھے، لیٹے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے ہر حال میں اس کے تصور اور اس کی یاد سے دل کو آباد اور اس کے ذکر سے ہونٹوں کو تر رکھا جائے۔ یہ محبت الٰہی کا عملی مظہر ہے۔''

ان خیالات کا اظہار امیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری نے مسجد اشاعت اسلام میں اپنے خطبہ (۱۰ر اپریل) کے دوران کیا۔ موصوف، ایمان کے عملی تقاضوں پر روشنی ڈال رہے تھے۔ مولانا نے کہا کہ اہل ایمان کو خدا سے جو محبت ہوتی ہے وہ بہت شدید اور غیر معمولی ہوتی ہے۔ اور اہل شرک کو اپنے معبودوں سے جو محبت ہوتی ہے اس کا اس سے کوئی موازنہ نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب محبت بٹ جاتی ہے تو کم ہوجاتی ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے۔ اور اگر کسی ایک ہی سے محبت ہو تو ظاہر ہے کہ آدمی کی ساری توجہ اسی کی طرف مرکوز ہوگی۔ مولانا نے کہا کہ مشرکوں کے بے شمار خدا ہوتے ہیں۔ وہ کبھی اس کو خوش کرنا چاہتے ہیں، کبھی اُس کو، کبھی اس سے مرادیں مانگتے ہیں اور اس کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور کبھی اُس سے مرادیں مانگتے اور ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ ان کا کوئی ایک مرکز نہیں ہوتا۔ اس لئے قرآن میں کہا گیا ہے کہ جو مشرک ہیں وہ اپنے معبودوں سے اس طرح محبت کرتے ہیں جیسی خدا سے کرنی چاہئے جب کہ اہل ایمان ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

امیر جماعت نے فرمایا کہ اسی طرح رسول اللہؐ سے بھی انتہائی درجہ میں محبت مطلوب ہے جو کہ عین تقاضائے ایمان ہے۔ یعنی اپنی جان سے بھی زیادہ، بیوی بچوں، والدین اور دنیا جہان سے زیادہ محبت رسول اللہؐ کی ذات گرامی سے مطلوب ہے۔

امیر جماعت نے فرمایا کہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ کے دین کی مخلصانہ پیروی کرے، اپنی خواہشات، تمناؤں اور آرزوں کو خدا اور رسول کے احکام وہدایات اور ان کی مرضی ومنشاء کے تابع کردے۔ اللہ کے رب ہونے، محمدؐ کے رسول اور قائد ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر اسے شرح صدر حاصل ہوجائے اور دل راضی ہوجائے۔

رپورٹ: عبدالحق فلاحی

مرکز کا ہفتہ وار اجتماع

مذہب کے معاملے میں عدالتوں کا رجحان متاثر ہے

امیر جماعت اسلامی ہند

نئی دہلی- اپریل کی شام مرکز جماعت اسلامی ہند کے کانفرنس ہال میں ممتاز صحافی ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس مدیر افکار ملی نے داڑھی کے سلسلہ میں عدلیہ کے حالیہ فیصلے پر اپنا ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح کے عدالتی فیصلوں میں جج کے ریمارکس کا نفس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کچھ اس طرح کا فیصلہ اس سے قبل سپریم کورٹ نے شاہ بانو کیس میں ۱۹۸۵ء میں دیا تھا جس میں نفقۂ مطلقہ سے متعلق قرآنی نصوص کی من مانی تشریح وتعبیر کی گئی تھی۔

جس نے ہندوستانی تاریخ میں اہم موڑ لے لیا تھا اور مسلمانوں نے ملک گیر تحریک چلا کر حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا تھا۔ سپریم کورٹ کے فیصلے میں کہا گیا تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو اسے مطلقہ کو اس وقت تک نان ونفقہ دینا ہوگا جب تک کہ وہ دوسری شادی نہیں کرلیتی۔ اس فیصلے کی رو سے عدالت نے شاہ بانو کو تاحیات ۲۴۰ روپے ماہانہ نفقہ دینے کا ان کے شوہر محمد احمد خاں کو پابند کیا تھا۔ اس موقع پر مسلمانوں کا یہ موقف سامنے آیا تھا کہ اگر ملک میں اس طرح کے فیصلے ہوتے رہیں گے تو شہریوں کی مذہبی آزادی بے معنی ہوجائے گی۔

ڈاکٹر الیاس نے کہا کہ کچھ اسی طرح کا فیصلہ سپریم کورٹ نے علی گڑھ یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کے سلسلہ میں بھی دیا تھا کہ علی گڑھ یونیورسٹی پارلیمنٹ کے سینٹرل ایکٹ کے ذریعہ وجود میں آئی ہے۔ اس لئے یہ مسلمانوں کا ادارہ نہیں ہے۔ اس کی لڑائی مسلمانوں نے گیارہ سال تک لڑی۔

انہوں نے کہا کہ بابری مسجد کے تعلق سے بھی عدالتوں کے بعض فیصلے ایسے ہیں جو مسلمانوں کی مذہبی آزادی کو محدود کرتے ہیں۔ مثلاً عدالت کا یہ کہنا کہ نماز ادا کرنے کے لئے مسجد شرط نہیں ہے۔ جب کہ دینی مسائل کی تشریح وتعبیر کا حق صرف مسلم علماء کو حاصل ہے۔

اس موقع پر امیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری نے اپنے صدارتی کلمات میں کہا کہ مذہب کے معاملے میں عدالتوں کا رجحان متاثر ہے جس کے نتیجہ میں عدلیہ کے فیصلے بھی متاثر ہورہے ہیں۔ امیر جماعت نے ملک میں ایسی فضا پیدا کرنے پر زور دیا جیسا شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کا فیصلہ آنے کے بعد ہوا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اگر ایسی فضا ملک میں بنے تو حکومت اسے نظرانداز نہیں کرسکے گی۔

امیر جماعت نے واضح کیا کہ شریعت میں تو داڑھی مختصر کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے چہ جائیکہ داڑھی نہ رکھنے کا مسئلہ زیر بحث لایا جائے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے علماء نے لکھا ہے کہ داڑھی چھوٹی یا مختصر رکھنا بھی گناہ ہے۔

●●

سید غلام اکبر صاحب روبہ صحت ہورہے ہیں

جناب سید غلام اکبر صاحب سکریٹری مالیات جماعت اسلامی ہند، اپنے وطن حیدرآباد ہی میں ہیں اور تیزی کے ساتھ روبہ صحت ہورہے ہیں۔ موصوف نے اپنے تمام رفقاء احباب اور خیر خواہوں کے نام اپنے گھر سے ۷ر اپریل کو حسب ذیل پیغام جاری کیا ہے:

یہ بیماری میرے لئے بڑا عجیب تجربہ تھا۔ جہاں ڈاکٹر تقریباً ناامید تھے۔ تین ہارٹ اٹیک ۸ دن میں ہوئے۔ گردے فیل ہونا شروع ہوگئے تھے۔ دوسری طرف ملک اور بیرون ملک سے ٹیلی فون، دعائیں اور بے تحاشا محبت کا اظہار نہ صرف ہمت دے رہا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ آپ سب کی دعاؤں کو قبول کرکے شفا بخشتے جارہے تھے۔ ڈاکٹر بھی حیران تھے۔ الحمدللہ گھر ہوں۔ ۶ر اپریل کو پھر ہسپتال گیا تھا۔ معائنہ ہوا۔ ڈاکٹر بھی مطمئن ہیں بے شک جو مرض دیتا ہے وہ شفا بھی دیتا ہے۔ ہم کمزوروں کی دُعائیں سنتا بھی ہے اور قبول بھی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ تمام کی دعاؤں کو قبولیت بخشی ہے۔ میں بھی مالک کا بے حد شکر گزار ہوں۔ آپ بھی اس کا شکریہ ادا کیجئے، اور آپ سب کے لئے میرا قلب اور جسم کا رواں رواں دعا کررہا ہے۔ بہت زیادہ لکھنے کی ہمت نہیں ہے گزشتہ ایک ماہ میں پہلی مرتبہ قلم پکڑا ہے۔ انشاء اللہ یار زندہ صحبت باقی۔ آپ میں سے جو جو بھی یہ خط پڑھیں۔ دوسرے ساتھیوں تک میرا سلام اور دعا پہنچادیں۔

ولی رحمانی کی تین نئی کتابیں

مونگیر- خانقاہ رحمانی مونگیر کے سجادہ نشین مولانا ولی رحمانی کے تین رسالے ''تصوف اور حضرت شاہ ولی اللہ'' ''سماجی انصاف'' ''عدلیہ اور عوام'' اور ''مدارس اسلامیہ: مشورے، خطرات، اندیشے'' جنہیں مولانا عمرین محفوظ رحمانی نے ترتیب دیا ہے، منظر عام پر آچکے ہیں۔ تینوں رسالے مختصر مگر اہمیت کے حامل ہیں۔

توانائی کا ایک اور متبادل، زمینی حرارت

جمیل اختر

اگرچہ ان دنوں تیل کی قیمتیں کم ہیں تاہم اقتصادی ماہرین کا کہنا ہے کہ کمی کا یہ عرصہ زیادہ طویل نہیں ہے اور عالمی کساد بازاری کے ختم ہونے کے بعد تیل کی قیمتیں ریکارڈ بلندی تک جاسکتی ہیں۔ انہوں نے سائنس دانوں پر زور دیا ہے کہ وہ توانائی کے متبادل اور سستے ذرائع کے حصول کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔

ٹیلی گراف کی ایک رپورٹ کے مطابق برطانیہ کی رائل اکیڈمی آف انجینئرنگ کی حالیہ کانفرنس میں کہا گیا ہے کہ توانائی کے ایک متبادل ذریعے کے طور پر زیر زمین حرارت کو بڑے بڑے دفاتر، اسپتالوں، تعلیمی اداروں اور اسی طرح کی دوسری بڑی بڑی عمارتوں کو گرم رکھنے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اور اس سے توانائی پر اٹھنے والے اخراجات کی بچت بھی ہوگی۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ اگرچہ زمین کا بیرونی حصہ ٹھنڈا پڑچکا ہے لیکن زیر زمین بہت گہرائی میں زمین اتنی گرم ہے کہ وہاں پر موجود مادّے پگھلی ہوئی حالت میں ہیں۔ جو کبھی کبھی آتش فشاں کے لاوے کی صورت میں زمین پر بہہ نکلتے ہیں۔ سائنس داں یہ بھی کہتے ہیں کہ زمین کی تہوں میں موجود حرارت کو نکال کر اسی طرح استعمال میں لایا جاسکتا ہے جس طرح ہم کنواں کھود کر پانی نکالتے ہیں۔

اس وقت سویڈن زمین کی حرارت سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور ملک بھر میں ساڑھے تین لاکھ سے زیادہ ہیٹ پمپ کام کررہے ہیں جن کی مدد سے بڑی بڑی عمارتوں کو گرم رکھنے کا کام لیا جارہا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ سویڈن میں عمارتوں کو گرم رکھنے کی دس فیصد ضروریات زمینی حرارت سے پوری کی جارہی ہیں۔ اسی طرح امریکہ کے کچھ حصوں میں بھی یہ تجربہ کامیاب رہا ہے۔ برطانیہ اور یورپ کے دوسرے ممالک میں زمینی حرارت کے استعمال پر اس لئے توجہ نہیں دی گئی کیونکہ انہیں سستا تیل اور گیس دستیاب رہی ہے۔

ماہرین کہتے ہیں کہ زمینی حرارت کو دو طرح سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یعنی موسم سرما میں اس سے عمارتیں گرم رکھی جاسکتی ہیں اور گرمیوں میں اسے ایک اور طریقے سے عمارتوں کو ٹھنڈا رکھنے کے کام میں لایا جاسکتا ہے۔

برطانیہ نے تجرباتی طور پر تقریباً سات ہزار ہیٹ پمپ نصب کئے تھے۔ مگر یہ طریقہ اپنی زیادہ لاگت کے باعث توجہ حاصل نہیں کرسکا۔ رائل اکیڈمی آف انجینئرنگ کے ایک انجینئر ڈیوڈ بینکس کہتے ہیں کہ ایک گھر کے لئے ہیٹ پمپ پر لاگت کا تخمینہ تقریباً دس ہزار برطانوی پونڈ ہے جو تیل اور گیس کی موجودہ قیمتوں کے لحاظ سے مہنگا پڑتا ہے۔ تاہم ان کا کہنا ہے کہ بڑی بڑی عمارتوں کو گرم اور ٹھنڈا رکھنے کے لئے ہیٹ پمپ کا استعمال موزوں ہے اور بڑی عمارتوں میں یہ نظام دس سال میں اپنی قیمت ادا کرسکتا ہے۔

ڈیوڈ بینکس کا یہ بھی کہنا ہے کہ دیہی علاقوں میں جہاں لوگ اپنے گھروں کو گرم رکھنے کے لئے زیادہ تر تیل اور لکڑی جلاتے ہیں۔ وہاں ہیٹ پمپ اپنی قیمت جلد لوٹا سکتے ہیں۔ بینکس کہتے ہیں کہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ قدرتی توانائی کا ایک لامحدود ذخیرہ ہمارے پاؤں کے نیچے ہے اور ہم اسے بڑی آسانی سے اپنی استعمال میں لاسکتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بڑے پراجیکٹس میں اس نظام کی تنصیب کی لاگت عام گھروں کی نسبت آدھی ہے۔ چنانچہ اسے بڑی آسانی اور کفایت کے ساتھ اسکولوں، اسپتالوں، بڑے بڑے دفاتر اور بڑے بڑے تجارتی اور رہائشی کمپلکسز میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اقوام عالم کو اس وقت عالمی تپش میں اضافے کے مسئلے کا بھی سامنا ہے جس کی سب سے بڑی وجہ کاربن گیسوں کا اخراج ہے جو زیادہ تر تیل اور گیس جلانے سے پیدا ہوتی ہیں۔ عالمی سطح پر یہ کوششیں جاری ہیں کہ کاربن گیسوں کے اخراج میں کمی لانے کے لئے توانائی کے ایسے متبادل ذرائع ڈھونڈے جائیں جو کاربن گیسیں پیدا نہ کریں۔ برطانوی حکومت اس سلسلے میں ایسے ضابطے نافذ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے جن کی مدد سے ۲۰۱۶ء تک گھروں کو گرم رکھنے کا موجودہ نظام ایسے متبادل نظاموں سے بدل دیا جائے گا جو کاربن پیدا نہ کرتے ہوں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اس مقصد کے لئے زمینی حرارت ایک بہترین متبادل ثابت ہوسکتی ہے۔ مسٹر بینکس کہتے ہیں کہ انہیں توقع ہے کہ برطانیہ کا مستقبل زمینی حرارت ہے اور آئندہ چند برسوں پر برطانیہ میں بڑے پیمانے زمینی حرارت کا استعمال ہونے لگے گا جس سے اس کی لاگت کے اخراجات میں نمایاں کمی ہوگی۔

رائل اکیڈمی آف انجینئرنگ کی حالیہ کانفرنس میں بتایا گیا ہے کہ نئے طریقوں کے استعمال سے ایک وقت میں سینکڑوں گھروں کو زمینی حرارت فراہم کی جاسکتی ہے جو نسبتاً سستی پڑے گی۔

اس وقت برطانیہ میں زیر زمین گرم چٹانوں سے حرارت حاصل کرنے کا ایک پلانٹ ساؤتھ ہمٹن میں کام کررہا ہے۔ اس سلسلے کا ایک نیا پراجیکٹ نیوکیسل میں اپنی تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ مستقبل میں اس طرح کے بڑے پلانٹ جنوبی انگلینڈ مشرقی ہائی لینڈ آف سکاٹ لینڈ، شمالی آئرلینڈ اور ڈربی شائر میں بھی لگائے جائیں گے۔

●●

مسلم مسائل کے حل کیلئے صحیح پہل ضروری

عارف عزیز بھوپال

مسلمان زندگی کے ہر میدان میں آج پچھڑتے جارہے ہیں لہٰذا ان کے لئے اقتصادی ترقی، معاشرتی اصلاح اور سچے مسلمان بنانے کا کام ترجیحی بنیاد پر شروع ہونا چاہئے یا جو تنظیمیں یہ کام انجام دے رہی ہیں ان کی مدد کی جانی چاہئے یہی آج کے ہندوستانی مسلمانوں کی بنیادی ضرورت ہے کیونکہ ملک کے مسلمان اقتصادی طور پر گرتے گرتے آج پسماندہ طبقات سے بھی نیچے چلے گئے ہیں۔ ان کی تعلیمی پسماندگی اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ اسی طرح ہر طبقہ اور ہر سطح پر مسلمانوں کا معاشرتی زوال آج ایک حقیقت بن گیا ہے مسلمانوں کے پاس عالمگیر تو کیا ہندوستان گیر بھی اپنا کوئی اخبار نہیں ہے۔ ان کی صفوں میں اتحاد واتفاق کا فقدان ہے غرضیکہ زوال پذیری کی جس قدر علامات ہوسکتی ہیں وہ سب مسلمانوں میں درآئی ہیں لیکن وہ اپنے واقعی حالات سے شتر مرغ کی طرح آنکھیں بند کرکے سیاست وسیادت کے فریب میں گرفتار ہیں۔

ہندوستانی مسلمانوں کی حالت کیا ہے اور اب انہیں کیا کرنا چاہئے؟ اس کی فکر آج کے بیشتر رہنماؤں کو نہیں مسلم قائدین سے حکومت واقتدار کے خلاف آپ دھواں دھار تقریریں کروالیجئے۔ سیاسی پارٹیوں کے عہدوں اور قانون سازاداروں میں مسلم نمائندگی کی کمی پر تنقید کرالیجئے کہ فرقہ پرستی اور تعصب کے باعث مسلمانوں کو ان کا واقعی حق نہیں دیا جارہا ہے لیکن مسلم مسائل ومشکلات کے لئے جو محنت وجدوجہد آج مطلوب ہے اس کو وہ خود کس حد تک انجام دے رہے ہیں یہ سوال کیا جائے تو کسی کے پاس اس کا معقول جواب نہ ہوگا۔ حالانکہ مسلم قوم کی تعلیم پسماندگی ہو یا معاشرتی برائیاں اقتصادی بدحالی ہو یا سیاسی فہم وفراست کا فقدان، ان سب کو دُور کرنے کی پہلی ذمہ داری خود مسلمانوں اور ان کی قیادت پر عائد ہوتی ہے مگر اس کو ادا نہ کرکے حکومت واقتدار کو اس کا واحد ذمہ دار سمجھ لینا قوم کا مجموعی مزاج بن گیا ہے۔ حالانکہ مسلم قیادت وسیاست کو ان یہودیوں کی حالت کو پیش نظر رکھنا چاہئے جنہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں اپنی ترقیات کا سفر بالکل صفر سے شروع کیا اور آج وہ بلندیوں کو چھورہے ہیں۔ خود داؤدی بوہروں کا فرقہ ایک ایسی مثال ہے جو اپنے بل بوتے پر محنت کرکے آج ایک مستحکم مقام پر پہنچ گیا ہے۔

●●

مدینے کے تاریخی کنویں

ڈاکٹر سلیس سلطانی چغتائی

ہر نبی کا ایک حرم ہوتا ہے اور مدینہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حرم ہے جہاں آپؐ نے اقامت فرمائی۔ اسی شہر مبارکہ سے دین کا ظہور اور فروغ ہوا اور بڑے بڑے امور و برکات نیز فتوحات اور اسلام کی فلاح اور بہت سی نیکیوں کا ظہور ہوا۔ آپؐ نے اس شہر کے بارے میں فرمایا: ”اے اللہ ہمارے لئے مدینہ کو اتنا ہی محبوب کر دے جتنا کہ مکہ کو کیا تھا، بلکہ اس سے بھی زائد“۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہجرت کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی: ”اے اللہ! اگر تو مجھ کو اس جگہ سے جو میرے نزدیک محبوب ترین مقامات میں سے ہے، باہر لاتا ہے تو میری سکونت ایسی جگہ میں کر جو تیرے نزدیک محبوب ترین ہو“۔ چنانچہ اس دعا کے مستجاب ہو جانے کے بعد یہ مقام اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک محبوب ترین مقامات میں سے ہو گیا اور اسی وجہ سے آپؐ نے فتح مکہ کے بعد بھی مدینے میں قیام کو ترجیح دی۔

مدینہ ایک متبرک شہر ہے جس میں بے شمار اہم تاریخی مقامات ہیں جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پہنچے، جہاں آپؐ نے نماز ادا فرمائی۔ مدینہ کے تاریخی کنوؤں میں بیر غرس اور بیر رومہ بھی ہیں اور بیر بضاعۃ، بیر البصہ، بیر حاء، بیر العہن اور بیر اریس بھی ہیں۔

(۱) بیر غُرس:

یہ مسجد قبا کے مشرق جانب تقریباً آدھا کلومیٹر سے کچھ زیادہ فاصلے پر واقع ہے۔ غُرس ان مقامات کا نام ہے جو اس کے اردگرد ہیں۔ یہ ایک بڑا کنواں ہے جس میں کافی گہرائی میں پانی موجود ہے اور اس کے پانی پر کائی غالب ہے۔ اس میں زینہ بھی ہے جس کے ذریعے سے کنویں میں اتر جاتے ہیں۔ ۸۸۲ھ میں اس کنویں کی تجدید ہوئی تھی، کئی روایات سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وضو کیا اور وضو کا بچا ہوا پانی اسی کنویں میں ڈال دیا۔

حضرت انس بن مالکؓ بیر غرس سے پانی منگواتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپؐ اس کنویں کا پانی پیتے تھے اور وضو کرتے تھے۔ ابراہیم بن اسماعیل، ابن مجمع سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آپؐ نے فرمایا: ”میں نے آج کی رات بہشت کے کنوؤں میں سے کسی کنویں پر صبح کی ہے“۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو بیر غرس پر پہنچے اور وضو فرمایا، لعاب مبارک ڈالا۔ آپؐ کے سامنے تحفتاً شہد پیش کیا گیا۔ اس شہد کو بھی اس کنویں میں ڈال دیا اور وصیت فرمائی کہ مجھ کو وصال کے بعد سات مشکیزے میرے کنویں کے پانی یعنی بیر غرس سے غسل دینا۔ آپؐ نے حالت حیات میں بھی اس کنویں کا پانی پیا ہے۔ اور یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ جب میں اس عالم سے سفر کروں تو بیر غرس کے سات مشک پانی سے کہ جس کا پانی مطلقاً صرف نہ کیا گیا ہو مجھے غسل دینا۔ چنانچہ وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیر غرس کے پانی سے غسل دیا گیا۔

(۲) بیر رومہ:

یہ بھی ایک بڑا کنواں ہے جو مسجد قبلتین کے شمالی جانب وادی عقیق میں واقع ہے۔ اس کا پانی نہایت ہی لطیف اور شیریں ہے۔ یہ کنواں ایک یہودی کا تھا جسے حضرت عثمان بن عفانؓ نے اس سے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا تھا۔ حدیث میں اس کنویں کے بارے میں آیا ہے: ”بہت ہی عمدہ کنواں مرنی یا رومہ ہے“۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ حدیث مبارکہ سنی تو اس کنویں کا نصف حصہ سو اونٹوں کے عوض میں خرید کر وقف کر دیا۔ کنویں کے مالک نے جب پانی کے اوپر مخلوق کی کثرت دیکھی جو اس کو اس کے نصف حصے سے کنویں کا نفع اٹھانے میں مانع ہوتی تھی تو اس نے بقیہ نصف حصہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ ابن شیبہ، زہری سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص بیر رومہ کو خریدے وہ سیراب ہوگا جنت میں“۔ حضرت عثمان بن عفان نے اس کو اپنے مال سے خرید کر وقف کر دیا بشیر اسلمیؓ روایت کرتے ہیں کہ جب مدینہ منورہ میں مہاجرین کی آمد سے کثرت ہوئی تو پانی کی قلت محسوس کی جانے لگی۔ اس مقدس شہر میں شیریں پانی کم تھا۔ بنی غفار کے ایک شخص کے پاس ایک چشمہ دار کنواں تھا جس کو بیر رومہ کہتے تھے۔ یہ شخص پانی کا ایک مشکیزہ مہنگے داموں فروخت کرتا تھا۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی سے فرمایا: ”رومہ کنویں کو اس چشمے کے عوض جو تجھ کو جنت میں ملے گا میرے ہاتھ بیچ ڈال“۔ اس نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور میرے بچوں کے لئے اس کنویں کے سوا کوئی دوسرا ذریعۂ معاش نہیں ہے“۔ حضرت عثمان بن عفانؓ نے جب یہ بات سنی تو پینتیس ہزار درہم میں خرید کر اس کو مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ ابن عبدالبر بیان کرتے ہیں کہ یہ کنواں ایک یہودی کا تھا۔ وہ اس کا پانی مسلمانوں کے ہاتھ بیچتا تھا۔ حضور اکرمؐ نے اس کنویں کے خریدنے کی ترغیب فرمائی اور اس کے خریدار کو جنت کی بشارت دی۔ حضرت عثمانؓ نے اس کو خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

نسائی اور ترمذی نے روایت کی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محاصرہ کیا گیا تو آپؓ نے محاصرہ کرنے والوں سے فرمایا کہ لوگو! میں تم کو خدا اور دین اسلام کی قسم دیتا ہوں، تم خوب جانتے ہو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تھے اور مدینے میں شیریں پانی کا وجود نہ تھا بجز رومہ کے پانی کے، تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو شخص رومہ کو خریدے اس کے لئے اسی طرح کا کنواں بہشت میں ملے گا، میں نے اس کنویں کو خرید کر اس کو مالدار، فقیر اور مسافروں پر وقف کر دیا اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جیش عسرہ (غزوہ تبوک) کے لئے سامان مہیا کرے گا اس کے لئے بہشت واجب ہے، لہٰذا میں نے اس کا بھی سامان کیا تھا۔ لوگوں نے اس کی تائید کی۔ صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں بھی اسی طرح کی روایت بیان کی گئی۔ بیر رومہ کا وجود دور جاہلیت سے تھا، یہ منہدم ہو گیا تھا۔ ۷۵۰ھ میں اس کی تجدید ہوئی۔ بعض روایتوں میں یہ حدیث بھی بیان کی گئی ہے کہ ”جو شخص بیر رومہ کو کھودے اس کے لئے جنت ہے“۔ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت بھی اس کے کھودنے اور اصلاح کی ضرورت تھی۔

(۳) بیر بضاعۃ:

یہ مدینے کا ایک تاریخی کنواں ہے جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈول پانی طلب فرما کر وضو کیا اور بقیہ پانی مع لعاب دہن مبارک کنویں میں ڈال دیا۔ یہ کنواں مدینہ منورہ کے شامی دروازے کے نزدیک واقع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو شخص بیمار ہوتا تھا اس کو بیر بضاعۃ کے پانی سے غسل دیتے تھے۔ اس پانی کی برکت سے بیمار کو جلد شفا حاصل ہو جاتی تھی۔ حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ جو شخص بیمار ہوتا تھا اس کو تین دن تک بضاعۃ کے پانی سے غسل دیتے تھے اور وہ بیمار صحت پا جاتا تھا۔ ابوداؤد، احمد اور ترمذی نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کے لئے بیر بضاعۃ سے پانی لاتے ہیں، حالانکہ لوگ اس میں مختلف نجاستیں ڈالتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ”پانی پاک ہے، اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی“۔ نسائی نے ابوسعیدؓ سے روایت کی ہے کہ میں پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا، آپؐ بیر بضاعۃ پر وضو فرما رہے تھے، میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ آپؐ اس پانی سے وضو کرتے ہیں حالانکہ اس میں لوگ بہت سی نجس چیزیں ڈالتے ہیں“۔ آپؐ نے فرمایا: ”پانی کو کوئی چیز نجس نہیں بنا سکتی“۔ سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے اپنا لعاب دہن بیر بضاعۃ میں ڈالا، اس کا پانی پیا، اور اس کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔ ابی سید جو بیر بضاعۃ کے مالک تھے، بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن ڈالنے کے بعد ہم اس کا پانی پیتے تھے اور برکت حاصل کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ہمارے باغ میں میوہ نہ آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، آپؐ نے فرمایا: ”غول بیابانی ہے جو میوہ چرا لے جاتا ہے، اس کے بعد اگر میوے میں کمی ہو تو کہو: بسم اللہ اجیبی رسول اللہ“۔ جب ابواسید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کلمے کو پڑھا تو ایک آواز سنی کہ اے ابواسید مجھے معاف کر دیجئے اور جناب رسالت مآبؐ کے حضور میں نہ لے جایئے، اس کے بعد ہرگز آپ کے گھر اور باغ کے قریب نہ جاؤں گا اور میں تم کو ایک آیت سکھاتا ہوں جس کی برکت سے کوئی صدمہ تم کو یا تمہارے گھر والوں کو نہ پہنچے گا اور وہ آیت الکرسی ہے۔ جب ابواسید نے سارا قصہ دربار رسالتؐ میں آکر عرض کیا تو آپؐ نے فرمایا: ”اس نے جو کچھ کہا ٹھیک کہا۔ لیکن دروغ گو ہے“۔ بیر بضاعۃ کی زیارت اب آسانی سے نہیں ہو سکتی۔ موجودہ تعمیر و توسیع کے منصوبے میں یہ حصہ اروام کے باغ میں آ گیا ہے جس سے اس تک پہنچنا مشکل ہو گیا ہے۔

(۴) بیر البصہ:

یہ بقیع کے قریب قبا کے راستے میں بائیں جانب واقع ہے۔ بقیع کی جانب سے اگر مدینہ منورہ کے حصار کے نیچے چلیں تو یہ مذکورہ جگہ پر ملے گا۔ ابن عدی، ابوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آپؐ ان کے گھر تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ تمہارے ہاں کچھ سدر ہے تاکہ میں اس سے سر کو دھوؤں، کیونکہ آج جمعہ کا دن ہے۔ میں نے عرض کیا: ہاں ہے۔ پھر سدر لے لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بیر البصہ پر چلا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اپنے سر مبارک کو دھویا اور غسالہ کو کنویں میں ڈال دیا۔ اس کنویں میں زینہ ہے اور اس کا پانی بہت نزدیک ہے۔

(۵) بیر حاء:

اس مقام کا نام ہے جس جگہ یہ کنواں واقع ہے۔ یہ جگہ مسجد نبویؐ کے شمالی جانب قلعے کی دیوار سے متصل مسجد نبویؐ سے بہت قریب ہے۔ آپؐ اکثر اوقات وہاں تشریف لے جاتے اور وہاں کے درختوں کے سائے میں بیٹھتے تھے اور اس کنویں کا پانی پیتے تھے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ابوطلحہ انصاری کے پاس باغ کی حیثیت میں بہت مال تھا اور ان کے مالوں میں سے محبوب ترین مال ان کے نزدیک مسجد کے روبرو یہی بیر حاء تھا۔ ابوطلحہؓ نے اس کنویں کو اپنے عزیز و اقارب کے لئے وقف کر دیا تھا۔ یہ کنواں ایک چھوٹے باغ میں رہ گیا تھا کیونکہ وہاں حضرت معاویہؓ اور اس کے بعد ابوجعفر منصور نے محل بنوالیا تھا۔ اس کنویں کا پانی انتہائی شیریں، ہوا خوشگوار اور مقام کشادہ تھا۔

(۶) بیر العہن:

یہ عوائے مدینہ میں مسجد قبا کے مشرقی جانب ایک بڑے باغ میں ہے جو شرفاء سے تعلق رکھتا ہے۔ وہاں پر زراعت اور درخت بہت ہیں۔ مقام پاک صاف اور لطیف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پہنچ کر وضو کیا اور نماز ادا کی۔ ان کے علاوہ اور بہت سے کنویں، اموال و صدقات، مساجد اور اشجار ایسے ہیں جو غزوات میں اور سفروں کے دوران مختلف شہروں میں آپؐ کی تشریف آوری سے مشرف ہوئے، انہی میں ایک چشمہ زرقا ہے۔ یہ قبا کے نخیل کے درمیان سے نکلتا ہے۔ مروان بن حکم جس وقت مدینے کے عامل تھے، حضرت معاویہؓ کے حکم سے اس چشمے کو کھود کر مدینے تک لائے۔ اس کا پانی بھی نہایت شیریں اور لطیف ہے۔ احادیث میں وادی عقیق مدینہ منورہ کے قبلے کی جانب واقع ہے۔

(۷) بیر اریس:

یہ کنواں مدینے کے ایک یہودی کے نام سے منسوب ہے اور مسجد قبا کے قریب مغرب کی جانب واقع ہے، اس کا پانی نہایت لطیف اور شیریں ہے اور کئی روایات کے مطابق آپ ﷺ نے اس کنویں میں اپنا لعاب دہن ڈالا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کنویں پر تشریف لائے اور اس آدمی سے جو پانی بھر رہا تھا ایک ڈول پانی طلب فرمایا اور پیا، بقیہ پانی کو مع لعاب دہن مبارک کنویں میں انڈیل دیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں: ”میں نے وضو کیا اور گھر سے اس خیال سے نکلا کہ آپؐ کی صحبت اور خدمت سے آج جدا نہ ہوں گا۔ آپؐ بیر اریس پر تشریف رکھتے تھے۔ ساق مبارک کو کھولے ہوئے پاؤں کو کنویں میں لٹکائے ہوئے تھے۔ بیر اریس ایک احاطے میں واقع ہے۔ میں سلام کر کے دروازے پر دربانی کے خیال سے بیٹھ گیا۔ ایک ساعت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے دریافت کیا: کون ہے؟ جواب دیا: ”ابوبکر۔ میں نے کہا: کھڑے رہیے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دوں۔ میں نے جا کر عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر آئے ہیں اور آنے کی اجازت مانگتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: آنے دو اور ان کو جنت کی خوشخبری کر دو۔ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور جنت کی خوشخبری سنا دی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ باغ کے احاطے میں داخل ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی جانب کنویں کے منڈیر پر بیٹھ گئے اور اتباع رسولؐ میں انھوں نے بھی اپنے پاؤں کو کنویں میں لٹکا دیا۔ میں واپس آکر پھر دروازے پر بیٹھ گیا۔ میں اپنے اس بھائی کا منتظر تھا جس کو گھر چھوڑ آیا تھا کہ وہ بھی آجائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت سے مشرف ہو جائے۔

اسی اثناء میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے دریافت کیا: کون ہو؟ کہا: عمر۔ میں نے کہا: ٹھہرے رہو تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دوں۔ میں نے جا کر عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمر آئے ہیں اور اجازت طلب کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: آنے دو اور ان کو بھی جنت کی خوشخبری دے دو۔ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا، ان کو جنت کی خوشخبری سنائی۔ حضرت عمرؓ بھی باغ میں داخل ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب جس طرح آپؐ بیٹھے تھے اسی طرح بیٹھ گئے۔ میں واپس آکر پھر دربانی کرنے لگا اور منتظر تھا کہ کاش میرا بھائی آجاتا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عثمانؓ آئے۔ میں نے ان کے آنے کی اطلاع بھی آپؐ کو دی۔ آپؐ نے فرمایا: ”آنے دو اور ان کو بھی جنت کی بشارت دو مع اس بلا کے جو ان کے سر پر آئے گی۔ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر کہا کہ اندر آیئے، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو جنت کی بشارت دیتے ہیں اس بلا کے ساتھ جو آپ کے سر پر آئے گی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر آئے اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں جگہ تنگ تھی اس لئے وہ آپؐ کے روبرو بیٹھ گئے“۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی میں جو انگوٹھی رہا کرتی تھی وہ آپؐ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں رہی۔ ان دونوں کے بعد حضرت عثمانؓ کے پاس آئی۔ ایک دن حضرت عثمانؓ کنویں پر بیٹھے ہوئے تھے اور انگوٹھی مبارک کو انگلی سے اتار کر عادت کے مطابق گھما رہے تھے۔ انگوٹھی ان کے ہاتھ سے کنویں میں گر پڑی۔ تین روز تک کنویں کی صفائی کی گئی لیکن وہ نہ ملی۔ انگوٹھی کا گرنا حضرت عثمانؓ کی خلافت کے چھ سال بعد پیش آیا اور اسی دن سے آپؓ کی خلافت میں فتنہ انگیزی شروع ہو گئی۔

بیر اریس میں سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں جس کی وجہ سے کنویں میں اترنا اور وضو کرنا آسان تھا۔ ۷۱۴ھ میں اس کنویں کی تجدید کی گئی اور اس میں اترنے کا راستہ بند کر دیا گیا۔ اب اس کے اوپر عمارت بھی باقی نہیں رہی۔

●●

بقیہ: دنیا میں مسافر جیسے رہو

ہے وہ ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کی یاد اور اسی جیسی چیزوں کے یا پھر عالم یا متعلم کے۔ ایک دوسری روایت میں فرمایا: ”دنیا اور اس میں جو کچھ ہے ملعون ہے سوائے اس کے کہ جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہو“۔

حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سب سے بہتر کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جو دنیا سے سب سے زیادہ بے نیاز اور آخرت کا سب سے زیادہ شوقین ہو“۔

حضرت عمرؓ بن منکدر کے پاس کچھ مال بھیجا گیا تو وہ رو پڑے اور فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ دنیا میرے دل پر غالب نہ آ جائے، پھر آخرت میں مجھے کچھ نہ ملے۔ پھر انھوں نے وہ سارا مال مدینہ منورہ کے مسکینوں میں تقسیم کرا دیا۔ حضرت جندب بن عبداللہ صنعانیؒ فرمایا کرتے تھے: ”دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے“۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دنیا سے بے نیازی یعنی زہد دل کو بھی آرام پہنچاتی ہے اور بدن کو بھی۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں بندے کو جو کچھ ملتا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے درجات میں اتنی ہی کمی ہو جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ اگر مجھے اپنی نیکیاں کم ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں بھی زندگی کا لطف لیتا۔

●●

بقیہ: جہیز کی تباہ کاری اور نظام وراثت کی برکت

مسلمان تمام خرافاتوں، بیجا رسموں، بدعتوں، اسراف اور فضول خرچی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

قرآن وسنت اور آپؐ کے جاں نثار صحابہؓ کے اسوہ کی ان تصریحات سے یہ بات قطعی طور پر عیاں ہو جاتی ہے کہ جہیز بارات اور ولیمہ میں رشتہ داروں، دوستوں اور اہل ثروت لوگوں کو مدعو کر کے مختلف کھانوں سے ان کی تواضع وضیافت کرنے کی یہ رسوم نہ تو اسلام سے پہلے عربوں میں رائج تھیں اور نہ ہی اسلام کے آنے کے بعد ان کو سندِ جواز عطا ہوئی۔ برصغیر کے علاوہ آج بھی تمام دنیا کے مسلمان ان تمام خرافاتوں سے پاک ہیں۔ آج اگر بارات میں کسی قریبی رشتہ دار، دوست واحباب کو مدعو نہ کیا جائے تو رشتہ اور تعلقات تک منقطع ہو جاتے ہیں۔ آج یہاں بارات میں سیکڑوں لوگ شامل ہو کر لڑکی والوں کے گھر دھاوا بول دیتے ہیں۔ اور بارات میں اگر کسی قریبی رشتہ دار، دوست واحباب کو بھول یا کسی دیگر عذر سے مدعو نہ کیا جائے تو شکوہ شکایات اور ناراضگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور بعض اوقات رشتہ اور تعلقات تک ختم ہو جاتے ہیں۔ جب کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ صحابہؓ کو اپنی جان، مال اولاد اور ماں باپ سے زیادہ عزیز اور محبوب تھے۔ آپ کو ان کی شادی کا پتہ بھی ان کے ہاتھوں کے رنگ اور ان کی معمول کے خلاف غیر حاضری سے ہی چلتا تھا۔ آج ہم دعوت ولیمہ کے موقع پر اپنی جھوٹی شان بڑھانے، برقرار رکھنے یا بچانے کے لئے قرض اُدھار لے کر اور بعض اوقات گھر یا جائداد گروی رکھ کر بڑی تعداد میں لوگوں کو مدعو کر کے انواع واقسام کے پرتکلف کھانوں سے ان کی ضیافت کا شاندار انتظام کرتے ہیں۔ اس موقع پر دولت مند یا اختیار، اثر و رسوخ رکھنے والوں کی شرکت کو باعث فخر و اعزاز تصور کیا جاتا ہے، جبکہ غرباء مساکین، اور فقراء کی شرکت کو ننگ وعار سمجھ کر طعام گاہ کے داخلے پر بھی پہرہ بٹھا دیا جاتا ہے۔ اس وقت اللہ کے رسول کی یہ سخت تنبیہ بھی قصداً یا غیر قصداً نظر انداز ہو جاتی ہے جس میں آپؐ نے ارشاد فرمایا: ”برا کھانا اس ولیمے کا کھانا ہے جس میں مالداروں کو بلایا جائے اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے۔“ (بخاری ومسلم)

آپ کا یہ اسوۂ مبارکہ بھی ہمیں یاد نہیں رہتا جس میں آپؐ نے اظہار فخر میں مقابلہ کرنے والی دعوتوں میں کھانا کھانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں آدمیوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے جو آپس میں فخر کا مقابلہ کریں۔ (بحوالہ ابوداؤد)

اس حدیث مبارکہ میں فخر کے اظہار اور نام ونمود کی خاطر کی جانے والی دعوتوں کو قبول نہ کرنے اور ان میں شرکت نہ کرنے کا لوگوں کو حکم دیا گیا ہے۔ پہلے وقت کے بزرگوں کا یہ حال تھا کہ اگر انہیں کسی شخص کی دعوت کے بارے میں یہ شبہ بھی ہو جاتا تھا کہ اس دعوت کا مقصد فخر کا اظہار اور محض نام ونمود ہے تو وہ ایسی دعوت میں شرکت نہیں کیا کرتے تھے۔ جب کہ آج حالات یہ ہیں کہ دعوت ولیمہ اور دیگر تقریبات جن میں لوگوں کو طعام کے لئے مدعو کیا جاتا ہے اکثر اظہار فخر اور نام ونمود کی علامت بن کر رہ گئے ہیں۔ ولیمے کے موقع پر دیئے جانے والے طرح طرح کے کھانوں اور طعام گاہ وغیرہ کی زیبائش اور آرائش میں ہزاروں لاکھوں روپے بے دریغ خرچ کر دیئے جاتے ہیں۔ نام ونمود اور فخر کے اظہار کے لئے پانی کی طرح روپے بہائے جاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان کہ ”اسراف اور فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں“۔ ذہن سے محو ہو جاتا ہے اور اللہ کے رسولؐ کی میانہ روی اختیار کرنے کی تاکید بھلا دی جاتی ہے۔ اسلام کے نام لیوا شادی کے موقع پر تمام تر غیر اسلامی، غیر اخلاقی اور شیطانی رسوم وحرکات کے ساتھ جلوہ افروز نظر آتے ہیں۔ وہاں وہ سب کچھ موجود ہوتا ہے جو شیطان کا پسندیدہ ہے، جبکہ وہ انسان کا کھلا دشمن ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کو بابرکت قرار دیا ہے جس میں سب سے کم خرچ ہو اس کے علاوہ آپ نے نکاح کو مسجد میں انجام دینے کی مسلمانوں کو ہدایت فرمائی۔ اس کے برخلاف آج ہمارا حال یہ ہے کہ مسجد کی جگہ نکاح کی تقریبات بڑے شادی گھروں (Marriage Hall) یا عارضی طور سے ٹینٹ کے قیمتی ساز وسامان سے بنائے گئے مقامات پر انجام پاتی ہیں۔ جہاں آرائش وزیبائش جو کہ محض دکھاوے اور ریاکاری پر مبنی ہوتی ہے۔ وہاں تبذیر یعنی فضول خرچی کے مثالی مظاہرے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اختلاط مرد وزن کے حیا سوز اور شرمناک نظارے بھی ہوتے ہیں۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں، جوان مرد وعورتیں موسیقی کی دھن پر تھرکتے اور پھوہڑ وغیر اخلاقی حرکتیں کرتے نظر آتے ہیں۔ بڑے بڑے ”اشراف“ گھرانوں کی خواتین پوری رذالت وتمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ دعوت نظارہ پیش کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ان اشراف میں سیاسی وسماجی قائدین کی خواتین ہی نہیں بلکہ مذہبی ودینی گھرانوں کی خواتین بھی خودنمائی کی مسابقت میں دکھائی پڑتی ہیں۔ غرض کہ شادی کی ان تقریبات کے مقام پر وہ سب کچھ ہوتا ہے جو اسلام اور شریعت کے منافی ہوتا ہے۔ اور بس وہ نہیں ہوتا جو کہ اسلام اور شریعت کو مطلوب ومقصود ہے۔

قرآن وسنت کی تعلیمات کی ان واضح ہدایات کی روشنی میں ہم اپنے موجودہ معاشرے میں شادی سے متعلق منعقد ہونے والی تقریبات اور رسوم کا جائزہ لے کر خود ہی اپنے ضمیر کی آواز پر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ہمارا طرز عمل اسلامی ہے یا غیر اسلامی؟ اخلاقی ہے یا غیر اخلاقی؟ فائدے مند ہے یا تباہ کن؟ نکاح کے بعد مرد وعورت خاندان کی پہلی اکائی بنتے ہیں، اس اکائی کی بنیاد جس قدر اسلامی، اخلاق اور اعتدال وتوازن کی کنکریٹ پر رکھی جائے گی، اتنا ہی وہ خاندان مضبوط ومستحکم ہوگا اور اگر خدانخواستہ اس کی بنیاد غیر اسلامی، غیر اخلاقی اور بے حیائی کی اینٹوں پر رکھی گئی تو اس کا انجام دنیا اور آخرت دونوں میں ہلاکت خیز ہوگا۔ آج مسلمان بے اعتدالی، عدم توازن اور افراط وتفریط کا شکار ہو کر کھلے عام اللہ کے احکام کو توڑ رہا ہے۔ اس کی طے کردہ حدود سے تجاوز کرنے کی مذموم حرکات کا مرتکب ہو رہا ہے۔ طریقہ محمدیؐ سے بیزاری کا اظہار اپنے عمل سے کر رہا ہے۔ بے حیائی اور جنسی بے راہ روی نے رشتوں کے تقدس کو پامال کر دیا ہے۔ ارشاد رسولؐ کہ ”نکاح کو اتنا آسان کر دو کہ بدکاری مشکل ہو جائے۔“ کے برخلاف غیر اسلامی اور غیر شرعی طرز عمل، خواہشات نفس اور بے اعتدالیوں کی وجہ سے بدکاری انتہائی آسان اور نکاح مشکل ترین ہو گیا ہے۔ غرض کہ ہمارے ملک کا مسلم معاشرہ اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے غیروں کی رسومات بد کا اسیر اور اپنے اوپر بے وجہ پابندیاں لازم کرنے کی بناء پر مشکلات ودرمشکلات کا شکار بن کر رہ گیا ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہی تھا کہ انسانیت کو تمام معبودانِ باطل، جھوٹے خداؤں اور طاغوتوں کی بندگی کے مکڑ جال، غیر فطری رسوم، اور بندھنوں سے نجات دلائیں اور اس کے سامنے حق اور سیدھا راستہ واضح کر دیں تاکہ انسان صراط مستقیم پر چل کر اپنی زندگی کو آسان تر بنا سکے اور اس کے اختیار کرنے والے دوسروں کیلئے مشعلِ راہ اور نمونہ عمل بن سکیں۔ (ختم شد)

امریکی سماج میں مذہبی انتشار کا عمل جاری ہے

تحریر: اینڈریو سلیوان
ترجمہ: رانا محمد آصف

”ہم خدا پر بھروسہ کرتے ہیں“۔ امریکی ڈالر پر لکھے اس جملے سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ امریکی سیاست میں الحاد (خدا کے وجود سے انکار) اور لادین ہونے کی کوئی گنجائش نہیں، لیکن اس کے برعکس امریکی کانگریس میں ہم جنس پرستوں کی طرح ملحدین بھی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ امریکہ کے سیاسی حلقوں میں عیسائیت کو ہمیشہ ہی خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ بش انتظامیہ کے قریبی حلقوں تک رسائی کے لئے انجیلی اور بینڈکٹ کیتھولک ہونا، پہلی شرط تھی، مگر ایسا نہیں ہے کہ مذہب کا عمل دخل صرف ری پبلکن کی سیاست ہی میں ہے، بلکہ ڈیموکریٹس بھی مذہب کو نمایاں حیثیت دیتے ہیں۔ ڈیموکریٹس نے اپنی مہم میں خصوصی طور پر مذہب کے حوالے سے ایک مذاکرہ منعقد کیا، جو کہ سیاسی اہمیت کا پتہ دیتا ہے۔ اس مذاکرے میں مدمقابل امیدواروں نے بڑھ چڑھ کر عیسائیت کے لئے اپنی وفاداری اور سعادت مندی کے جذبات کا اظہار کیا۔ بارک حسین اوباما نے قدرے مدلل انداز میں اظہار خیال کیا، جو بعد میں ان کے لئے مددگار ثابت ہوا۔

مذہب کی اس درجہ اہمیت کے باوجود امریکی معاشرہ تیزی سے ”لادینیت“ کی راہ پر گامزن ہے۔ امریکہ میں مذہبی رجحان پر ہونے والے ایک حالیہ سروے کے مطابق کیتھولک اور پیٹسٹ عیسائیوں کے بعد، لادین افراد امریکہ کا تیسرا بڑا طبقہ بن کر ابھر رہے ہیں۔ لادینیت کی طرف امریکیوں کی رغبت نوے کی دہائی میں خاصی تیز رہی۔ اس عرصے میں ملحدین کی تعداد آٹھ فیصد سے بڑھ کر پندرہ فیصد ہو گئی۔ اسی طرح مغربی امریکہ میں پروٹسٹنٹ ۱۹ فیصد سے کم ہو کر تیرہ فیصد رہ گئے ہیں۔ ساؤتھ کیرولینا میں، جسے بنیاد پرست پروٹسٹنٹ انجیلی فرقے کا گڑھ کہا جاسکتا ہے، کیتھولکس کی تعداد میں ۱۹۹۰ء کے مقابلے میں دوگنا اور دہریوں کی تعداد میں تین گنا اضافہ ہوا ہے۔

دوسری جانب میساچوسٹس میں کیتھولک عیسائیوں کی تعداد ۵۴ فیصد سے کم ہو کر ۳۹ فیصد ہو گئی ہے جبکہ اس ریاست میں اطالوی، پرتگیزی اور آئرش تارکین وطن کی بڑی تعداد آباد ہے۔ کیتھولک فرقے سے نکلنے والے افراد کی کچھ تعداد تو انجیلی ہو جاتی ہے، جبکہ بڑی تعداد ایسی ہے، جو کوئی مذہب اختیار نہیں کرتے۔ اس کی ایک بڑی وجہ اس فرقے کے ایک مذہبی رہنما پر جنسی اسکینڈل ثابت ہونے کے باوجود بچ نکلنا بھی تھی۔ بعد ازاں اس پادری کو روم میں ایک اچھی ملازمت بھی دے دی گئی۔ ظاہر ہے کہ ایسے

باقی صفحہ ۵ پر

POSTED ON 17 April 2009 AT DELHI R.M.S. LICENCE NO. U (D.N.)- 41 / 2009 - 11 TO POST WITHOUT PRE PAYMENT PAGES-8.

۱۹/اپریل ۲۰۰۹ء

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:- dawattrust@yahoo.co.in, dawatnews@indiatimes.com

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57
POSTAL REGISTRATION No.
DL (S) - 05 / 3128 / 2009 - 2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post)

مجرد عقل و تجربے نے تین سو سال میں ایسی دُنیا بنائی ہے

ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی
دہرہ دون (اترانچل)

جس طرح آج ہمارے ملک میں ایک ''چمکتا بھارت'' اور ایک ''سسکتا بھارت'' ساتھ ساتھ نظر آرہے ہیں وہی حال پوری دنیا اور دنیا کے ہر ملک کا ہے۔ جب سے دین کی رہنمائی کو بطور نظام زندگی بن باس دے کر خود ساختہ ملکی، معاشرتی، سیاسی قوانین بنائے گئے اور انہی کی بنیادوں پر انسانی معاشرے اٹھان پا رہے ہیں اور ملک بن رہے ہیں تبھی سے چمکتی دنیا اور سسکتی دنیا دونوں ہی مجموعی طور پر مضطرب اور پریشان ہیں۔ صرف عقل اور تجربے کی رہنمائی میں انسانی زندگی کا سفر طے کر کے انسانیت کو کامیابی سے ہمکنار کرانے کا دعویٰ کرنے والے نظریات کی کارگزاری ہمارے سامنے ہے۔ بظاہر تمام چمک دمک، ترقی کے دعوے، ٹیلی مواصلات کے حیرت انگیز نظام، علاج معالجہ کی بے مثال سہولتوں، تعلیم و ٹیکنالوجی کی حیران کن پیش قدمیوں کے باوجود انسان پریشان ہے۔ انڈیا بھی پریشان ہے، بھارت بھی پریشان ہے۔ یورپ اور امریکہ کی پریشانیاں الگ ہیں اور اس کے مظاہر الگ ہیں۔ ایشیا اور افریقہ کے مسائل الگ ہیں اور ان کا اظہار بھی الگ طرح سے ہو رہا ہے۔ انسان، انسانیت اور انسانی قدریں سب سے زیادہ سستی ہوگئی ہیں۔ انسانی جان کی قیمت نہیں رہی، انسانی جذبات، احساسات، محبت و مروت، خلوص، سب بے قیمت ہوگئے ہیں۔ بے غیرتی، بے شرمی، بے حیائی، لوٹ کھسوٹ اور طاقت کی فرمانروائی ہی سکہ رائج الوقت ہوگئے ہیں اور اس سب کے نتیجے میں دنیا بھر میں انسانی معاشرہ میں ہمہ جہت، ہمہ گیر، فساد پیدا ہو رہا ہے۔ نئے ورلڈ آرڈر کے ٹھیکیدار حیران ہیں کہ ان کے مالیاتی نظام کا بلبلہ کیسے پھٹ گیا؟ کیسے عقل کی رہنمائی اور کھاؤ پیو موج کرو کے فلسفے کے تحت دنیا فقیدالمثال غذائی بحران، پینے کے پانی کے بحران، ماحولیاتی تبدیلی کے بحران، گلوبل وارمنگ کے بحران، عالمی کساد بازاری کے بحران، سماجی رشتوں کی بے حرمتی کے بحران، خودکشیوں اور برادر کشیوں کی وبا وغیرہ وغیرہ میں مبتلا ہے۔ انسانیت کے بڑوں کو غور کرنا ہوگا کہ کیا یہ دنیا جو تین سو سال کے خدا بیزار، سائنس پرست، عقل پرست تجربے کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے؟ کیا یہی آئیڈیل دنیا ہے؟ فتنہ وفساد، مے و قمار، ہجوم زنان بازاری سے پر یہی دنیا انسانیت کی معراج ہے؟ آگے کچھ صفحات میں پیش کئے گئے اعداد وشمار انسانوں کے وضع کردہ نظامہائے حیات کی ناکامی کی کہانی خود کہتے ہیں۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

☆ صرف دہلی میں طلاق کی تعداد ۲۰۰۳ء میں سات ہزار سالانہ تھی۔ ۲۰۰۸ء میں بڑھ کر ۸۵۴۳ ہوگئی۔

☆ یورپ میں ہر تیس سیکنڈ میں ایک حمل گرایا جاتا ہے۔ ہر سال ۱۴۲ ملین حمل گرائے جاتے ہیں۔ ہر تیس سیکنڈ بعد ایک شادی ٹوٹتی ہے۔ ہر تین گھروں میں سے دو گھروں میں بچہ نہیں ہے۔ (Institute for Family Policy- London)

☆ ہندو شادی قانون (Hindu Marriage Act) گھروں کو جوڑ نہیں توڑ رہا ہے۔ (Supreme Court of India-17.5.2008)

☆ ترقی و آزادی نسواں برطانیہ میں C-Vote کے ذریعے کرائے گئے سروے میں پتہ چلا کہ وہاں کالج سے فارغ ہوتے ہوتے پچاس فیصد لڑکیاں اپنی عصمت گنوا چکی ہوتی ہیں۔ ہر ۲۳ لڑکی میں سے ایک حمل گرا چکی ہوتی ہے۔

☆ ہمارے ملک میں TOI کے سروے میں طلباء کی تیس فیصد تعداد نے کہا کہ اساتذہ کو خوش کر کے نمبر وغیرہ بڑھوانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتیں۔ امریکہ کی ایک طالبہ نے اپنی اسکول فیس جمع کرنے کے لئے نہایت ماڈرن طریقے سے انٹرنیٹ پر ''کنوارہ پن برائے فروخت'' کا اشتہار دیا۔ جس کے لئے کروڑوں ڈالر کی آفر آگئی۔ مگر کسی نے بھی عصمت کو محفوظ رکھتے ہوئے مدد کرنے کی پیشکش نہیں کی۔

☆ انگلینڈ میں ہاؤس آف کامنز میں پیش کردہ بل کے پاس ہوجانے کے بعد ہم جنس پرستی یا اس میں ملوث افراد کو برا بھلا کہنے پر سات سال کی سزا دی جاسکے گی۔

☆ ایک امریکی شہری عام ہندوستانی کے مقابلے ۱۹ گنا زیادہ کاربن ڈائی آکسائڈ پیدا کرتا ہے۔ دنیا کا درجۂ حرارت بڑھانے میں اس گیس کا بڑا رول ہے۔ اس کے نتیجے میں: (۱) ہمالیائی اور قطب جنوبی و قطب شمالی کا گلیشیر معمول سے زیادہ رفتار سے پگھل رہا ہے۔ (۲) ہواؤں کا بہاؤ متاثر ہو رہا ہے۔ (۳) درجۂ حرارت بڑھنے سے اناج کی پیداوار متاثر ہو رہی ہے۔ ہمارے یہاں اگر درجۂ حرارت ۴ء۴ ڈگری سیلسیس بڑھا تو ہندوستان کی زرعی پیداوار میں چالیس فیصد کم ہوجائے گی۔ (۴) درجۂ حرارت دو ڈگری سیلسیس اور بڑھ گیا تو مدراس اور ممبئی کے ۷۰ لاکھ لوگ بے گھر ہوجائیں گے۔ (۵) درجۂ حرارت بڑھنے سے مالدیپ پورا اور بنگلہ دیش کا ۱۸ فیصد علاقہ زیر آب ہوجائیگا۔ (۶) ہمارے ملک میں اناج کی فی کس پیداوار جو ۹۰ء کی دہائی میں ۱۷۹ کلو فی کس تھی وہ اب ۱۶۳ کلوگرام فی کس ہوگئی ہے۔

☆ عورتوں کی مدد کی خاطر بنائے گئے خصوصی قانون ۴۹۸ اے کو خواتین کی تیس فیصد تعداد نے خانگی جھگڑوں میں غلط طور پر استعمال کیا۔

☆ ڈبلیو ایچ او (ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن) کی رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں دو ارب لوگ شراب نوشی کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے کینسر، امراض جگر و صدر کے خطرات تیس فیصد تک بڑھ جاتے ہیں۔

☆ ہندوستان میں ہونے والے سڑک حادثات کا ۱/۳ حصہ شراب پینے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ دنیا بھر میں ہونے والی کل اموات کا ۷ء۳ فیصد شراب نوشی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

☆ فٹ پاتھ پر رہنے والے بیس فیصد بچوں کو اپنے قریبی لوگوں کے استحصال کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

☆ بھارت میں ہر سال بیس لاکھ بچیوں کو رحم مادر میں قتل کر دیا جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں پنجاب، ہماچل پردیش، چنڈی گڑھ، گجرات میں مرد، عورت کا تناسب خطرناک حد تک بگڑ گیا ہے۔ پنجاب کے ایک کنویں میں ایک ساتھ ۱۳۵ سقات شدہ مادہ جنین برآمد کئے گئے۔ (۸/۱۱/۲۰۰۶ء)

☆ ہندوستان میں National Aids Control Organization (NACO) پہلے ہی یہ مانگ کر چکا ہے کہ جسم فروشی کو قانونی پیشے کا درجہ دے دیا جائے۔ پلاننگ کمیشن کی ممبر سیدہ حمیدین نے بھی مانگ کی کہ اس کو قانونی تحفظ دیا جائے۔ (۲۶/۶/۲۰۰۶ء)

☆ سود (Interest) اور جوا جنہیں شریعت حرام قرار دیتی ہے وہ جملہ انسانی مسائل کی جڑ ہیں۔ حالیہ مندی، بینکوں کے دیوالیہ پن اور اناج اور پٹرول کی غیر معمولی چڑھی ہوئی قیمتوں سے نپٹنے کے لئے تمام حکومتیں سود کی شرح کم کر رہی ہیں۔ اناج اور ضروری اشیاء کی تجارت میں سٹے بازی کی شکلوں کو بند کیا جا رہا ہے۔

☆ غذائی اجناس میں سٹے بازی کے ذریعے ان کے دام بڑھائے گئے۔ پٹرول کی جب پیداوار زیادہ تھی تب دام ۱۵۰ ڈالر فی بیرل تھا اور اب OPEC کے ذریعے پیداوار کم ہوجانے کے باوجود دام صرف پچاس ڈالر فی بیرل کیوں ہے؟

☆ Crime-Clock2005 میں ہر سترہ سیکنڈ میں ایک جرم ہوا۔ ہر پندرہویں منٹ پر ایک چھیڑ چھاڑ کا کیس، ہر ۷۷ منٹ پر جہیزی موت، ہر ۲۹ منٹ پر ایک زنا، ہر سترہ منٹ پر ایک قتل، ۶۱ منٹ پر ایک لوٹ اور ہر ۳۱ منٹ پر ایک جنسی تشدد انجام دیا جا رہا ہے۔ (NCRB.Delhi)

☆ ۲۰۰۴ء میں برطانیہ میں مسلمانوں کی تعداد محض پانچ لاکھ تھی۔ ۲۰۰۸ء میں یہ تعداد تمام منفی پروپگنڈوں اور سازشوں کے باوجود ۲۴ لاکھ ہوگئی۔ یعنی تقریباً ۱۹ لاکھ افراد نے اسلام قبول کیا۔ جو دوسری قوموں کی شرح نمو سے دس گنا زیادہ ہے۔

☆ دنیا کے دس بڑے مالیاتی ادارے خلیج میں ہیں جو غیر سودی نظام پر چلا رہا ہے۔ وہ موجودہ اقتصادی بحران کو زیادہ بہتر جھیل پا رہے ہیں۔ ہمیں بھی اس سے سبق لینا چاہئے۔ (Abhishek Singhvi-MP Rajya Sabha)

☆ اسلام سے نفرت کے ماحول میں دنیا یہ نہیں دیکھ رہی ہے کہ لبرل ازم اسلامی اقتصادیات و تعلیمات میں موجود ہے۔ اسلام فری Economy اور نجی مالکانہ حقوق کو بھی تسلیم کرتا ہے اور غیر منصفانہ نفع پر بھی روک لگاتا ہے۔ (سووک چکرورتی ماہر اقتصادیات)

☆ ہندوستان میں آزادی کے ساٹھ سال بعد بھی دو ڈالر روزانہ سے کم آمدنی والے افراد کی تعداد ۷۷ فیصد یعنی ۸۳ کروڑ چھ لاکھ ہے جبکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں صرف ۲۳ سال میں یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ خلافت راشدہ میں زکوٰۃ لینے کا مستحق کوئی نہیں رہ گیا تھا۔ ●●

امریکی حکمت عملی میں تبدیلی

نیویارک۔ امریکی میڈیا کا کہنا ہے کہ ایران کے ساتھ مذاکرات کیلئے امریکہ نے اپنی حکمت عملی تبدیل کرنے کا اشارہ دیا ہے۔ امریکہ اور اس کے مغربی حلیفوں کے مابین اس سلسلے میں ہونے والی گفتگو میں یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ تہران پر اس کی جوہری تنصیبات کے معائنے کیلئے دباؤ بڑھایا جائے گا اور مذاکرات کے دوران اسے یورینیم کی افزودگی جاری رکھنے کی اجازت ہوگی۔

بقیہ: پہلا مرحلہ غیر شائستگی کے نام رہا

امیدواروں کے درمیان زبانی جنگ کا سلسلہ بدستور جاری ہے جو اندازہ ہے کہ دوسرے مراحل تک جاری رہے گا۔ مباحثہ ہو اور تعمیری اور صحت مند ہو تو اس روایت کو نہ صرف جاری رہنا چاہیے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔ مگر اس وقت مباحثہ نہیں ہو رہا ہے بلکہ الزامات عائد کئے جا رہے ہیں اور اس پر بس نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ شخصیت کو موضوع بحث بنایا جا رہا ہے اور اس میں کیڑے نکالے جا رہے ہیں۔ اس میں عیوب تلاش کئے جا رہے ہیں۔ اگر حکومت کی پالیسیاں موضوع بحث بنائی جائیں اور اس کی کامیابی وناکامی کو زیر بحث لایا جائے تو عام لوگوں کو جانچنے پرکھنے کا ایک معیار ہاتھ آسکتا ہے اور اس سے رائے بنانے میں بھی مدد مل سکتی ہے۔ نیز اس سے جانچ پرکھ کے ایک مثبت و تعمیری رجحان کو پروان چڑھایا جاسکتا ہے۔ مگر دیکھا یہ جا رہا ہے کہ زبانی جنگ شائستگی کی حدود سے آگے نکل گئی ہے۔

اسی طرح یہ پہلا مرحلہ تشدد کے واقعات سے پر ہے۔ ووٹنگ سے پہلے ملک کے مختلف حصوں میں تشدد کے واقعات ہوئے اور یہ معمولی مار پیٹ کے واقعات نہیں ہیں بلکہ باقاعدہ حملے ہوئے ہیں۔ اتر پردیش، مدھیہ پردیش اور جھارکھنڈ کے علاوہ بعض دوسرے علاقوں میں امیدواروں پر حملے ہوئے ہیں جن میں جونپور سے انڈین جسٹس پارٹی کے امیدوار بہادر صاحب سونکر کی موت ہوگئی۔ بتایا جاتا ہے کہ ان کی لاش ایک درخت سے لٹکی ہوئی ملی ہے۔ اس واقعے کو بھی بعض سیاسی جماعتوں نے سیاسی اکھاڑا بنا لیا ہے۔ بہوجن سماج پارٹی اور سماج وادی پارٹی کے درمیان الزام و جوابی الزام کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ اسی طرح کا واقعہ جھارکھنڈ میں بھی پیش آیا، جہاں گوڈا انتخابی حلقے میں بی جے پی کے امیدوار نشی کانت دوبے پر حملہ ہوا۔ بتایا جاتا ہے کہ ان کے ایک سیاسی حریف کے حامیوں نے یہ حملہ کیا تھا۔ ادھر مدھیہ پردیش کے بھنڈ انتخابی حلقے سے کانگریس کے امیدوار ماکھن لال جاٹو کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ اسی طرح بعض ممنوعہ تنظیمیں بھی سرگرم ہوگئی ہیں مثلاً آسام میں الفا اور بہار وغیرہ میں نکسلی۔

اس مرحلے میں یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ چھوٹے بڑے تمام سیاسی لیڈروں نے جو خود امیدوار بھی ہیں، بلاخوف ہو کر انتخابی ضابطۂ اخلاق کی خلاف ورزیاں کی ہیں، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ الیکشن کمیشن کو اس سلسلے میں درجنوں نوٹس جاری کر کے امیدواروں کے خلاف کارروائی کرنے کی دھمکی دینی پڑی۔ جن لیڈروں کے خلاف نوٹس جاری کئے گئے ان میں پارٹیوں کے سربراہ تک شامل ہیں۔ بعض امیدواروں کی اس سلسلے میں گرفتاریاں بھی عمل میں آئیں، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امیدواروں کو انتخابی ضابطہ اخلاق کی چنداں پروا نہیں ہے۔ وہ اس کے احترام کا بالکل خیال نہیں رکھتے۔ ظاہر ہے جب پارٹیوں کے سربراہ اور بڑے لیڈر یہ کریں گے تو ان کے نیچے کے لوگوں کو بھی اس سے حوصلہ ملے گا اور وہ بھی ان کے نقش قدم پر چلیں گے۔

(ش ر)

بقیہ: ناکامی اور کامیابی کا انحصار

نے چھوٹی چھوٹی صنعتیں تیار کیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ پوری دنیا پر چھا گیا۔ یہاں تک کہ اس نے امریکہ کے خلاف معاشی جنگ شروع کر دی اور کئی محاذ پر امریکہ کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ جاپان کی کامیابی کے پیچھے وہ اسباب کارفرما ہیں جو اس نے اپنی کامیابی کے لئے جمع کئے تھے۔ جاپان نے اپنی کمپنیوں میں ''زیرو ڈیفکٹ'' کا اصول اپنایا تاکہ اسے معاشی تعصب کا شکار نہ ہونا پڑے۔ جاپانی کمپنیوں نے اپنی چیزوں کو تمام خامیوں سے پاک کر دیا۔ آج صورتحال یہ ہے کہ امریکہ میں ''کیا امریکہ جاپان کی پاکٹ میں ہے؟'' جیسی کتابیں نظر آرہی ہیں۔ جاپان نے کامیابی کے اسباب جمع کئے تھے اس لئے اسے کامیابی ملی، اس کے برعکس مذکورہ نوجوان اور جارجیا نے ناکامی کے اسباب جمع کئے تھے اس لئے انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ آدمی ناکامی اور کامیابی کو دو الگ الگ چیز سمجھتا ہے، حالانکہ کوئی چیز نہ خالص کامیابی ہوتی ہے اور نہ خالص ناکامی۔ ہر ناکامی میں کامیابی مضمر ہوتی ہے اور ہر کامیابی میں ناکامی۔ ناکامی اور کامیابی کا انحصار اسباب پر ہے۔ اگر ناکامی میں کامیابی کے اسباب جوڑ دئے جائیں تو ناکامی کامیابی بن جائے گی، اسی طرح اگر کامیابی کے لئے ناکامی کے اسباب جمع کر دیئے جائیں تو کامیابی ناکامی میں بدل جائے گی۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ کوئی کام شروع کرنے سے قبل جمع کئے گئے اسباب پر خوب غور کرے کہ ناکامی اور کامیابی کا انحصار اسی پر ہے۔ ●●

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایرانین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر ''دعوت'' ڈی ۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمٰن

سب ایڈیٹرس: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیدت اللہ قاسمی، عمیر کوثی ندوی، اشرف علی بستوی

ضرورت رشتہ

ایک مسلم سنی، دیندار، خوبصورت لڑکی (طالبہ بی سی اے فائنل) قد پانچ فٹ پانچ انچ عمر ۲۳ سال کے لئے مناسب رشتے کی تلاش ہے۔ خواہشمند حضرات مندرجہ ذیل ای میل عنوان پر ربط قائم کریں۔ بیرون ملک باروزگار رشتے کو ترجیح دی جائے گی۔

muzzamil@arabou.edu.sa

Announcement
IDB Scholarship Programme 2009-2010

Applications are invited for the **IDB Scholarship** from meritorious but financially needy *Muslim students* who have passed or appeared in 10+2 examination in the session 2008-2009 and are desirous to pursue undergraduate professional studies in the academic year 2009-2010 in the fields of **Medicine** and **Engineering** (all branches) including **Homeopathy, Unani, Ayurvedic, Agriculture, Fisheries, Forestry, Food Technology, Microbiology, Biotechnology, Bachelor of Business Administration and Bachelor of Law.**

Please write for **Application Forms** (available **Free of Charge**) giving details of course intending to take admission alongwith a self-addressed envelope of 25x11 cm size with postage stamps of **Rs. 15/=** affixed on it, to: **MUSLIM EDUCATION TRUST, E-3, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110 025. ☎: 26957004, 26941354 Fax: 26949076. Application Form** can also be downloaded from our website: **www.metdelhi.org** or **www.sit-india.org.**

Application form duly completed with necessary copies of required documents should be submitted to the **Trust** office on the address given above with a copy to person/centre to concerned state/region latest by **15th May 2009.**

حکومت سے منظور شدہ ایکسپورٹ ہاؤس
سپر ٹینری لمیٹیڈ

● برنشڈ بف کاف ● فیشن اسپل لیدرز ● اَپل پُل اَپ ● انڈسٹریل سیفٹی بوٹ لیدرز ● نو بک ● واٹر پروف لیدرز ● گارمنٹ نپّا ● شوانیڈ بوٹ اُپرز

SUPER TANNERY LIMITED
(A Government Recognised Export House)
187/170, JAJMAU ROAD, KANPUR-208010 (INDIA)
Tel:+91-512-2460137,2465362,2462138,2461079
Fax:+91-512-2460792,2462227,
Email:supertannery@satyam.net.in
Website:www.supertannery.org

Online Unani Herbal Consultation

044-28481344 E-mail:drameen@vsnl.net

for Sinusitis ★Joints Pain ★infertility ★nervous ★debility ★Obesity ★beauty & Hair Care

in public interest by **Dr. Syed M.M. Ameen**
B.U.M.S. (OSM)., M.D. (Herbal Med).,
Ph.D. (MED)., M.N.S.A. (IND)

S.K's Herbal Medical Hospital & Research Centre
36, J.J.K. Road, Royapettah, Chennai-600014 INDIA

ایم اے ایف اکیڈمی

اے ۴۳ سیکٹر ۶۲، نوئیڈا

فاؤنڈر: محمد ابوالفضل فاروقی

نرسری تا XI داخلے جاری

★ سی بی ایس ای سے منظور شدہ ★ سی بی ایس ای کورس
★ اعلیٰ تربیت یافتہ اسٹاف ★ بچے کی پروگریس پر ہر وقت نظر
★ ہر طالب علم پر خصوصی توجہ ★ سیکشن میں صرف ۲۵ طلباء
★ ابتداء سے کمپیوٹر کی تعلیم ★ ہر وقت بجلی کے لئے جنریٹر موجود
★ ضروری سامان سے آراستہ سائنس لیب
★ کمرہ روشن، ہوادار، تپش سے محفوظ ★ ۲۴ ہزار مربع گز کا وسیع رقبہ
★ صد فیصد نتائج ★ سیٹیں محدود ★ داخلہ فارم ویب سائٹ پر دستیاب
★ داخلے کیلئے بچے کا ہونہار ہونا کافی ★ ٹرانسپورٹ کے لئے محفوظ اور آرام دہ بسیں
★ ہر قسم کی آلودگی سے پاک اور جدید ترین سہولتوں سے آراستہ نہایت خوشنما عمارت

صد فیصد رزلٹ کے ساتھ سبھی طالب علم فرسٹ ڈویژن ڈسٹنکشن (Distinction) کے ساتھ پاس ہوئے ہیں۔

اعلیٰ ترین سہولتوں کے باوجود فیس کفایتی

Phone: (0120) 2400522, 6545202
Fax:(0120)2400510
e-mail: info@mafacademy.com
Website: www.mafacademy.com

جموں وکشمیر یتیم خانہ سری نگر
ایک تعارف

یہ ادارہ ★ دو ہوسٹل چلاتا ہے جن میں چار سو یتیم بچے رہتے ہیں ★ یتیموں کے لئے ایک چیریٹیبل ہائر سکنڈری اسکول چلاتا ہے ★ مختلف آبادیوں میں دستکاری کے ساتھ چیریٹیبل مراکز چلاتا ہے ★ چار سو بیواؤں کو ماہانہ امداد دیتا ہے ★ ایک سو معذور افراد کو مالی امداد فراہم کرتا ہے ★ یتیم بچیوں کو مالی امداد دے کر شادی کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے ★ تعلیم کے لئے سو یتیم بچیوں کی مدد کرتا ہے ★ ہائیر اور ٹیکنیکل تعلیم کے لئے منتخب شدہ یتیم بچوں کی مالی امداد کرتا ہے ★ غریب، نادار اور محتاج مریضوں کی روزانہ امداد کرتا ہے

اس یتیم خانے کا معائنہ کیجئے

اور ہماری عملی خدمات اپنی آنکھوں سے دیکھئے۔ ہر چیز کھلی ہے، حسابات چیک ہوتے ہیں۔ ۰۹-۲۰۰۸ء کا بجٹ تقریباً دو کروڑ روپے ہے۔ ہم اپنی یہ خدمات بلا لحاظ مذہب و ملت پیش کرتے ہیں۔ بس آخرت میں اچھے اجر کی طلب اور دوزخ سے پناہ مطلوب ہے۔

اپنے عطیات اس نام سے بھیجیں

"J & K YATEEM KHANA, A/C No. SB7378"
JK Bank, Chawri Bazar, Delhi-110006

ایس اے بخاری (چیرمین)
09419059772

Jammu & Kashmir Yateem Khanah (Orphanage)
Bemina - Chatabal Crossing, Srinagar - 190010
Ph.: 0194 - 2471707, Mob.:09419056249, 09419059133,
Fax:0194-2481056

ضرورت رشتہ

۴۵ سالہ گورنمنٹ سروس مین کو ایسی خاتون خانہ (رشتے) کی ضرورت ہے جو کہ دیندار، تعلیم یافتہ، صحت مند جس کی عمر کم سے کم ۳۵ سال ہو، بیوہ اور غریب قابل ترجیح ہوں گی۔

رابطے کے لئے موبائل نمبر
09871745306

ضرورت رشتہ

سنی انصاری عمر چالیس سال، قد پانچ فٹ چار انچ، ہاسپٹل میں سرکاری ملازم، دہلی میں اپنا مکان، جہیز، علاقہ اور برادری کی کوئی قید نہیں ہے۔ غریب، تعلیم یافتہ لڑکی کو ترجیح دی جائے گی۔ گھریلو لڑکی پر بھی غور کیا جاسکتا ہے۔

Contact No.
9868201169

دو نئی کتابیں

● **ڈاڑھی کا مسئلہ** مرتب: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

اسلام میں ڈاڑھی کی کیا حیثیت ہے؟ یہ ضروری ہے یا غیر ضروری؟ اسلام میں ڈاڑھی کو بڑھانے کا حکم عمومی ہے یا اس میں کسی قسم کی تخصیص ہے؟ اور سرکاری یا غیر سرکاری ملازمتوں میں ڈاڑھی پر اعتراضات کرنے والے کس ذہنیت کی نمایندگی کرتے ہیں؟ ان جیسی دوسری بحثوں سے متعلق مفکر اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، معروف فقیہ مولانا سید احمد عروج قادریؒ اور تحریکی حلقے کے نامور اسکالر ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کی واضح اور مدلل تحریریں۔

سائز: ۲۳x۳۶/۱۶ ● صفحات: ۲۴ ● قیمت: Rs.10/-

● **آج نہیں تو کبھی نہیں** مصنف: جناب محمد بشیر جمعہ

انسانی زندگی کی تعمیر وارتقاء میں رکاوٹ پیدا کرنے والی بیماریوں سستی، کاہلی اور آسان پسندی کے اسباب و وجوہ پر ایک جامع گفتگو اور ان کے علاج کے لیے مجرب تراکیب۔ ایک مفید اور قابل استفادہ کتاب۔

سائز: ۲۳x۳۶/۱۶ ● صفحات: ۸۰ ● قیمت: Rs.30/-

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

Post Box. 9752, Jamia Nagar, New Delhi-110 025
Phones:26971652,26954341, 26946447(D) Fax:26947858
E-mail: mmipublishers@gmail.com Website: www. mmipublishers.net